ن والقلم وما یسطرون

تبلیغی، اصلاحی اور علم سلوک کا واحد مجلّہ

ماہنامہ المرشد چکوال (جہلم)

جلد ۲ | ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ھ نومبر سنہ ۱۹۸۱ء | شمارہ ۱۲

- سرپرست اعلیٰ :-

حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان صاحب دامت برکاتہم

- مدیر مسئول :-

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے (عربی اسلامیات)

- مجلسِ ادارت (اعزازی)

پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی اے (آنرز) ایم اے
مولانا ملک محمد اکرم (صاحب) مدظلہ العالی (منارہ ضلع جہلم)
پروفیسر باغ حسین کمال ایم اے

بدلِ اشتراک

زر سالانہ ۳۵ روپے
ششماہی ۱۸ روپے
فی کاپی
۳ روپے

★

حافظ عبدالرزاق پرنٹر پبلشر و مدیر مسئول ماہنامہ المرشد نے باہتمام منہاج الدین اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال سے شائع کیا

سول ایجنٹ :- مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

اس شمارہ میں

اداریہ	۳،۴ / مدیر
اسرار التنزیل	مولانا محمد اکرم صاحب
رجم شرعی سزا ہے	حضرت مولانا الشیخ المکرم مدظلہ
خواتین اسلام سے	مولانا محمد عاشق الہٰی صاحب
جشنِ نزولِ قرآن	حافظ عبدالرزاق صاحب ایم اے
حسین وسادہ ونگیں	پروفیسر محمد غلام صاحب
تسہیل طریق	ماخوذ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی (ادارہ)
عید اور تہوار منانے کا اسلامی اصول	معارف القرآن (ادارہ)
اللہ اکبر	اُمِ ریحان
لباسِ تقویٰ	الحاج شیخ حبیب الرحمان صاحب
تصوف وتعمیرِ سیرت	حافظ عبدالرزاق صاحب ایم۔ اے

اعلان:

تمام احباب کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دارالعرفان منارہ اب پورے سال کے لئے کھلا رہے گا۔ راشن اور باورچی موجود ہے۔ لہٰذا جو احباب منارہ تشریف لاویں دارالعرفان میں قیام فرمادیں اور اس سہولت سے متمتع ہوں۔ یارانِ نکتہ دان کیلئے ویک اینڈ گزارنے کا بہترین موقع مہیا ہو چکا ہے۔ تشریف لائیے اور سعادتِ دارین حاصل کیجئے۔

ناظمِ اعلیٰ

اداریہ

سید علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں سید الطائفہ حضرت جنیدؒ اور ایک حاجی کا مکالمہ درج فرمایا ہے۔ حج کی مبارک تقریب کی مناسبت سے اس مکالمہ کو " اداریہ" بنا دینے کو جی چاہتا ہے:

حضرت جنیدؒ : کہاں سے آنا ہوا ؟

ح : حج پر گیا تھا وہیں سے آرہا ہوں ۔

ج : اُس وقت سے لے کر جب کہ تم نے اپنے گھر کو خیرباد کہا تھا کیا تم نے تمام گناہوں کو بھی خیرباد کہا تھا یا نہیں ؟

ح : ایسا تو نہیں ہوا۔

ج : پھر تم نے کیسا حج کیا! اچھا یہ بتاؤ کہ اس سفر کے اثنا میں تم نے جس منزل پر پڑاؤ کیا کیا اس موقع پر تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کوئی منزل طے کی ہے ؟

ح : نہیں ۔

ج : پھر تم نے راہ حج کا سفر منزل بہ منزل تو نہ کیا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم نے مقام متعیّن پر احرام باندھا تو کیا تم نے اپنی ذات سے عام انسانی صفات کا جامہ بھی اسی طرح اتار پھینکا تھا جس طرح اپنی پسند کا لباس اپنے جسم سے اتار دیا تھا؟

ح : نہیں ۔

ج : پھر تم نے احرام کہاں باندھا؟ اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم نے مقام عرفات میں قیام کیا تو کیا وہ وقت اللہ تعالیٰ کے کامل دھیان میں گزارا ؟

ج : نہیں ۔

ج : پھر تم نے عرفات کا قیام کہاں کیا ؟ اور جب تم مزدلفہ گئے اور اپنی دلی مراد پالی تو کیا تم نے تمام نفسانی خواہشات کو اپنے سے الگ کر دیا ؟

ح : نہیں ۔

ج : تو پھر مزدلفہ کہاں ہے ؟ پھر جب تم نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا تو کیا اس خانۂ پاک میں جمالِ خداوندی کا مشاہدہ کیا ؟

ح : نہیں۔

ج : پھر تم نے درحقیقت کعبے کا طوائف ہی نہیں کیا۔ اچھا جب تم نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا تم نے صفا و مروت کا مقام حاصل کیا۔؟

ح : نہیں۔

ج : تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے سعی نہیں کی۔ اچھا جب تم منیٰ میں آئے تو کیا تمہاری تمام منیٰ (خواہشیں) ختم ہوگئیں ؟

ح : نہیں۔

ج : پھر تم منیٰ میں کہاں گئے ! اور جب تم مقامِ ذبح پر گئے اور قربانی ادا کی تو کیا تم نے خواہشات نفسانی کی تمام صورتوں کی قربانی کی ؟

ح : نہیں۔

ج : تو پھر تم نے کوئی قربانی نہیں کی۔ اور جب تم نے رمی جمار کیا تو کیا جتنے دنیوی رذائل تم سے چمٹے ہوئے تھے، ان سب کو اپنے سے الگ پھینک دیا ؟

ح : نہیں۔

ج : پھر تم نے کنکریاں نہیں پھینکیں اور حج کے شعائر ادا نہیں کیے۔ واپس جاؤ اور اس طریقے پر حج کرو جس طریقے سے میں نے تمہیں بتایا ہے تاکہ مقامِ ابراہیم تک پہنچ سکو۔

اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضی واجعل اٰخرتنا خیرا من الاولیٰ

مولانا محمد اکرم

اسرار التنزیل

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ؕ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ ویسئلونک عن الروح
قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ؕ اللھم سبحٰنک لا علم لنا
الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ؕ اللھم رب اشرح لی صدری ویسر لی امری
واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی ؕ رب زدنی علما ؕ اللھم صل وسلم دائما ابدا
علی حبیبک من زانت بہ العصر

انسانی وجود صنعت باری کا عجب شاہکار ہے۔ مختلف عناصر خداوند کریم نے مختلف عناصر کو ایک خاص ترکیب سے اور ایک خاص نسبت سے ایسی آمیزش دی ہے کہ انسان کا وجود ان سے ترتیب دیا ہے۔ اور اس مادی وجود کے ساتھ اس روح کا تعلق اور رابطہ قائم کر دیا ہے جو انتہائی لطیف تر شے ہے۔ فرشتے سے بھی لطیف تر۔ گو اس سارے تعلق اور رابطے میں خداوند عالم نے کچھ ضوابط، کچھ اصول اور قوانین مقرر فرما دیئے ہیں۔ جہاں تک جسم کے اور مادی علوم کا تعلق ہے وہاں تک اس نعمت کو ایسے عام فرمایا ہے کہ جو بھی اس فن کو سیکھنا چاہے مرد یا عورت مومن ہو یا کافر وہ اگر اس فن میں محنت کرے تو اس پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔

آپ نے کافی بھی بڑے بڑے پائے کے ڈاکٹر اور طبیب دیکھے ہوں گے یہ طبابت یا حکمت یا ڈاکٹری کیا شے ہے وجود کی اس نسبت وجود کے اس تناسب ان اربعہ عناصر کی ان کیفیات کو جان لینا کہ جن کو بحال رکھ کر یہ روح کے ساتھ تعلق قائم رکھ سکتا ہے۔ اگرچہ روح عالم امر سے ہے لطیف تر شے ہے، لیکن عناصر اربعہ کو ایک خاص تناسب کو اللہ کریم نے یہ قوت دی ہے کہ روح کے ساتھ رابطہ قائم رکھیں۔ یہ جو طبیب نبض پہ ہاتھ رکھتے ہیں اور فہرست پڑھنا شروع کر دیتے ہیں کہ تمہیں یہ تکلیف ہے یہ تکلیف ہے انہیں کیسے معلوم ہو جاتا ہے؟ بات صرف اتنی ہوتی ہے کہ ان چار خلطوں میں سے کوئی ایک خلط بڑھ جاتی ہے یا کوئی ایک گھٹ جاتی ہے تو نبض سے صرف انہیں یہ سمجھ آتی ہے کہ اس میں کونسی بات گرمی یا بلغم یا کونسا مادہ بڑھا ہوا ہے یا کونسی خلط کم ہو رہی ہے اب ان کے بڑھنے یا گھٹنے کے ساتھ کیا کیا اثرات ہوتے ہیں۔ یہ فہرست کتاب

ملتی ہے۔ یہ تجربات کرکے لوگوں نے انہیں یکجا کردیا ہے۔ اب جیسے ہی نباض کو سمجھ آتی ہے کہ اس میں تو سودا غالب ہے تو اس کے جتنے اثرات ہونے چاہئیں تو وہ فرفر گننا شروع کردیتا ہے۔ اور وہ واقعی اس وجود میں ہوتے ہیں۔ انسان حیران ہوجاتا ہے کہ اس نے حد کردی۔ تمام باتیں بتادیں تو یہ سب کیا ہے؟ ان خلطوں کی آمیزش سے واقفیت ہے ان کا تناسب برقرار رہے تو روح کا تعلق اس کے ساتھ رہتا ہے اگر وہ اُس خاص تناسب ایک خاص حد تک بگڑ جائے تو پھر موت واقع ہوجاتی ہے پھر روح کا تعلق اس کے ساتھ نہیں رہتا۔

اسی طرح سے یہ جو روح کا تعلق اور رابطہ ہے روح کی صحت اور بیماری جو ہے، روح کی طرف سے جو جو تعلقات وجود سے قائم کئے جاتے ہیں اس فن کے امام انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اس میں بجز نبی نہ کسی نے آج تک بات کی ہے اور نہ آئندہ کوئی کرسکتا ہے۔ اور نہ کسی کی وہاں تک رسائی ہے اس کے لئے صرف ایمان شرط نہیں ہے بلکہ اس بات کو پانا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا منصب ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے مومنین حاصل کرتے ہیں۔

تو روح کی جو غذا اور دوا ہے، روح کی جو صحت و بیماری ہے۔ روح کی اپنی بقا کا جو مسئلہ ہے وہ ایک الگ فن ہے اس کا تعلق روح کی بقا کا وہ ہے تعلق باللہ پر منحصر جتنا ربط بکمالاتِ باری سے قریب تر ہوگا اتنا وہ روح قوی بھی ہوگا، صحت مند بھی ہوگا، تندرست بھی ہوگا اور جس قدر اس تعلق میں کمی واقع ہوتی چلی جائے گی، اس قدر روح بیمار یا پریشان ہوتا چلا جائے گا حتیٰ کہ اگر یہ تعلق کٹ جائے

تو روح کی موت یہی ہے جس طرح وجود کی موت ہے اس سے روح کے تعلق کا منقطع ہوجانا۔ اسی طرح موت ہے روح کے ساتھ ذاتِ باری کے تعلق کا منقطع ہوجانا وہ تعلق جو مظہر رضا ہے۔ کوئی نہ کوئی تعلق تو رہتا ہے اگر کٹ گیا تو غضب کا اور گرفت کا تعلق آجائے گا اس کو فنا نہیں ہوگی۔ چونکہ تعلق تو رہے گا۔ اس لئے مگر کیفیت بدل جائے گی۔ رحمت کی جگہ غضب لے لیگا باری کا اور انوارات باری کا اور تجلیات باری کا ربط اس کی بنیاد بھی آخر وجود انسانی بنتا ہے۔ اگر روح وجود انسانی میں داخل نہ ہو۔ تو نہ یہ منازل کو پاسکتا ہے کو پاسکتا ہے اور نہ یہ کسی کیفیت کو حاصل کرسکتا ہے اگر مجرد عالم امر میں رہے تو ایسا ہی رہے گا جیسا اللہ جل شانہ نے اُسے تخلیق فرمادیا۔ قربِ الٰہی کو پانے کے روح کو اس بدن کی ضرورت ہے جس طرح بدن کی ایک کیفیت کو روح کے ساتھ تعلق رکھنے میں ایک نسبت ہے یا ایک وہ نسبت ہے اس کا سبب اسی طرح اس سے ایک خاص تمیز تحریر کو ایک خاص درجہ حرارت کو خون کی خاص حدت کو انوارات جذب کرنے سے ایک تعلق ہے اگر آدمی بالکل خاموشی سے بیٹھا رہے اور آرام سے اللہ اللہ ھو کرتا رہے تو یہ بھی ذکر ہوگا دل پر اثر بھی چھوڑے گا انوارات کو اخذ بھی کرے گا لیکن اس کے لئے صدیاں چاہئیں عمریں چاہئیں، مدتیں چاہئیں چونکہ اس طرح بیٹھے ایک جگہ متوجہ رہنے سے اور مسلسل یکسوئی سے خون میں ایک خاص حدت پیدا ہونا شروع ہوجائے گی۔ لیکن اس کا درجہ کمزور اور خفیف ہوگا اور پھر وہ بڑی مدت کے بعد

یار حاصل کرے گی۔ جہاں واقعی انوارات جذب کرنے وت اس میں پیدا ہوگی۔ ہمارے اس سلسلہ اویسیہ بندیہ کے بزرگوں نے یہ جو طریقہ تجویز فرمایا ہے اس کی محض وہم پر یا محض کسی اٹکل پچو پر نہیں ہے۔ بلکہ ان کی عمروں کے نچوڑ ہیں اور حاصل ہیں۔ تو یہ جو ہم ذکر تے ہیں اور اس میں کہہ بھی دیا جاتا ہے کہ زور سے بھی کرو وت سے بھی کرو اور کوئی سانس خالی بھی نہ جائے۔

سے پہلی بات یہ غور سے سن لیں کہ تیزی سے سانس لینے انسان اپنی توجہ سانس میں مرتکز کر سکتا ہے کہ اندر جانے ے سانس کے ساتھ لفظ اللہ داخل ہو رہا ہے اور باہر نے والے سانس کے ساتھ ھو خارج ہو رہی ہے لفظ نہیں جا سکتا اگر لفظ بنانا شروع کر دے گا تو پھر سانس تیزی سے نہیں چل سکتا۔ پھر وہ اس خاص رفتار پہ ہو جائے گا۔ تو اصل مقصود بھی یہ ہے کہ انسان کی پوری اس طرف ہو جائے۔ کہ ہر سانس کے ساتھ لفظ اللہ داخل رہا ہو۔ اور ہر خارج ہونے والے کے ساتھ ھو کا شعلہ ہو رہا ہو تو یہ سانس قوت سے تیزی سے چلے گا۔ یہ خون میں پھر دے گا، وہ درجہ حرارت دے گا وہ مخصوص کیفیت گا جو جذب انوارات کے لئے ضروری ہے اور جو کام وں میں ہونا چاہیئے وہ ملحول میں ہو جائے گا۔ لطائف تی سلاسل میں سالوں کے حساب سے وقت لگایا جاتا خواہ وہ کم تر بھی ہو مہینوں کی بات نہیں ہوتی بات سالوں ہوتی ہے تب لطائف سکھلائے جاتے ہیں اور اس سلسلہ یں سارے لطائف ایک توجہ میں تعلیم کئے جاتے اس کی وجہ ہی یہ ہے۔

باقی حضرات ذکر لسانی سے شروع کراتے ہیں۔ اور پھر اس کے مختلف مدارج بتاتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ پھر الا اللہ، پھر اللہ، اللہ پھر اس کے بعد سکون اور خاموشی سے دل کی طرف توجہ اور نہایت آرام سے بیٹھے رہنا دل پر خیال کرکے تو اس کے لئے واقعی مدتیں درکار ہوتی ہیں پھر ان کا اخذِ فیض کا طریق مختلف ہے وہ بجز صحبت کے بجز کسی زندہ وجود کے کسی دوسرے سے اخذ فیض کی استعداد نہیں رکھتے۔ اویسیہ طریقہ بھی فناء و بقا تک چلتا ہے اس سے آگے اگر منازل بالا میں کوئی قدم رکھے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسے ارواح کے ساتھ ربط حاصل ہو، اور وہ روح آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست مستفیض ہو۔ اور بزرگانِ دین کے ارواح سے براہِ راست اس کی روح اخذِ فیض کرے۔ اگر یہ نہ کر سکے تو عالمِ بالا میں منازل بالا میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ آگے چل کر سب اسی طریق کو اپناتے ہیں۔ ہمارے بزرگ یہ ابتداء سے ہی ازل سے ہی اللہ جل شانہٗ نے انہیں یہ قوت دی ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر کے انوارات کو اپنے دل میں کھینچ کر طالب کے دل پر ان کو انڈیل دیں، پلٹ کر رکھ دیں۔ ایک موسلا دھار بارش کی طرح انہیں برسا دیں ان کے دل پر تو توجہ کرنا یا متوجہ ہونا یہ منصب تو شیخ کا ہے لیکن اس توجہ کو قبول کرنا طالب کے لئے ضروری ہے۔ بارش اگر سنگلاخ چٹانوں پر ہو تو وہ کیا متاثر ہوں گی۔ اگر زمین میں بھی ہل نہ چلایا جائے اسے کھودا نہ جائے اسے گوڈی نہ کی جائے تو وہ بھی متاثر نہیں ہوگی چٹانوں کی طرح سخت ہو جائے گی۔ تو یہ کیفیت ہے انجذاب کی۔

یہ پیدا کرنا طالب کا کام ہے۔ اور اسے ایک خاص شیخ کی توجہ سے بھی ایک خاص اُنس حاصل ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ رات جس طرح حضرت نے توجہ فرمائی سارے اس دورے میں آپ نے ایسی کبھی نہیں فرمائی کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے جس طرح سے طلب کی کیفیت رات کو پیدا کی تھی ایسی کیفیت آپ نے کبھی پیدا نہیں کی تو جیسے جیسے طلب بڑھتی جائے گی ویسے ویسے پیاس بڑھتی جائے گی۔ اسی طرح اوپر سے بھی ٹونٹی کھلتی چلی جائے گی۔ جتنی جتنی جگہ بنتی چلی جائے گی اتنا ہی وہ کیفیات بھی آنا شروع کردیں گی۔ اور بغیر یہ کہنے کے کہ حضرت توجہ فرمائیے توجہ فرمانا شروع کردیں گے۔ یہ ایک اصول ہے، ایک ضابطہ ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بچہ جب بھوک سے روتا ہے تو خواہ خواہ ماں کے سینے میں دودھ آجاتا ہے خواہ وہ وہاں گھر پر موجود بھی نہ ہو وہ کہیں باہر ہو بازار میں ہو، ہسپتال میں ہو تو کہنے لگتی ہے کہ میرا بچہ بھوک سے تڑپ رہا ہوگا۔ کیوں بھئی! ماں کہتی ہے کہ میری چھاتیوں میں دودھ آگیا ہے ایک خاص تعلق ہے بچہ کو اس سینے سے، ایک نسبت ہے۔ اگر وہ گھر میں موجود بھی نہ ہو، دور بھی، باہر بھی تو اسے احساس ہوجاتا ہے کہ بچہ اب بھوک سے رو رہا ہے اور قدرتی نظام ایسا ہے کہ اس کے سینے میں دودھ اُتر چڑھ آتا ہے۔ یہی حال شیخ کا ہوتا ہے جب طالب میں طلب یا قوت اور استعداد جذب کرنے کی بڑھتی ہے تو خود بخود اس طرف سے توجہ ہونا شروع ہوجاتی ہے اور اگر کوئی بے ذوق ہوکر بیٹھا رہے تو ساری عمر بیٹھا رہے شیخ کا قلب اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اگر تو محض بیٹھا رہے کہ چلو بیٹھتے ہیں بیٹھنا ہی ہے اور بے ذوق قلب اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ہزاروں آدمیوں میں اگر ایک شخص بے ذوق ہوکر بیٹھا رہے تو باقی ان سب پر توجہ ہو رہی ہوگی اور اس کی طرف توجہ نہیں ہوگی اس کی طرف انوارات بھی نہیں جائیں گے۔ چونکہ اس کے لیے طلب کا ہونا بھی ضروری ہے اور پھر محض طلب سے کام نہیں چلتا۔ طلب اگر ہے تو پھر وہ استعداد اور وہ کیفیت پیدا کرے، یہ جو قوت سے سانس لیا جاتا ہے یا تیزی سے سانس لیا جاتا ہے۔ یہ دونوں باتیں اس میں شامل ہیں تیزی سے بھی ہو، قوت سے بھی ہو ایک تو یہ ذہن کو پراگندگی سے بچا لیتا ہے۔ مختلف خیالات جو ذہن میں داخل ہونا شروع ہوجاتے ہیں وہ ہٹ جاتے ہیں یہ اس کا اثر ہے۔ پوری توجہ اس طرف ہوجاتی ہے۔ پھر جب پوری توجہ اس طرف ہوجاتی ہے تو اس کا تعلق سانس سے نہیں رہتا اس کا تعلق اسم ذات سے ہو جاتا ہے کیونکہ وہ انسان متوجہ اس طرف ہوتا ہے کہ ہر سانس میں لفظ اللہ جا رہا ہو۔ اور یہ توجہ قائم ہوجائے تو پھر شعلے اٹھتے نظر آتے ہیں۔ اندر جانے والے سانس کے ساتھ بھی اور باہر آنے والے سانس کے ساتھ بھی۔

یہ ایک ایسا مسلسل اور پیہم عمل بن جاتا ہے۔ پھر یہ طبی طور پہ اس کی خصوصیت ہے کہ جب سانس تیزی سے چلتا ہے تو خون میں ایک خاص حدت پیدا ہوتی ہے۔ خاص گرمی پیدا ہوتی ہے۔ وہ حدت اور ٹمپریچر خون کا جو ہے وہ ان انوارات کو جذب کرنے کی استعداد رکھتا ہے جو عالم بالا سے نازل ہوتے ہیں۔

چونکہ روح جتنے منازل قرب کے حاصل کرتا ہے اس وجود میں آکر حاصل کرتا ہے۔اگر وجود میں داخل نہ ہو تو یہ کوئی منزل، نہ پا سکے۔تو وجود کی خاص کیفیات کو اس بات سے ایک خصوصی تعلق ہے کہ کونسی کیفیت کس درجے کے انوارات کو قبول کرتی ہے۔اگر وہ قبولیت کی قوت نہ ہو تو ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ پوری قوت سے توجہ کرتے رہیں تو جس طرح پتھر پر روشنی پڑتی ہے اور وہ اچٹ کر چلی جاتی ہے اس طرح سے انوارات بعض قلوب پر بعض لطائف پر پڑتے ہیں اور اچٹ کر چلے جاتے ہیں۔کوئی اثر نہیں چھوڑتے کیوں نہیں چھوڑتے؟ چونکہ اس طرف سے قوت جو ہے اور استعداد و قبولیت کی جو ہے وہ نہیں۔

آپ نے دیکھا نہیں کہ مکہ میں رہنے والے بعض افراد آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے محروم رہے جس قدر ان کے وجودوں کو قرب حاصل تھا آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں اس کا درجہ یہ ہے آپ ساری کائنات میں فیضان باری کو تقسیم کرنے والے ہیں۔ فرشتے ہوں یا انبیاء ہوں یا رسول ہوں ساری کائنات، کائنات بسیط کا ایک ایک فرد ایک ایک ذرہ تجلیات باری کو اخذ کرنے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج ہے۔آپ کی ذات ہی وہ مینار نور ہے جو ساری کائنات میں نور کو تقسیم کرتا ہے اتنا بڑا خزینہ جن لوگوں کو اپنی مادی زندگی میں اپنے مادی وجودوں کے سامنے حاصل ہو جائے جس ہستی کے فیضان سے صدیوں بعد بھی لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے عرش معلی کی باتیں کرتے ہوں اور مصور نقش برخاک و جان در لامکان کی مثال ہوں کہ ان کے زمین پہ چلتے ہوں لیکن ان کے ارواح لامکاں میں سیر کرتے ہوں اور وہاں رہتے بستے ہوں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ کے قرب کے انتہائی منازل کے مکین ہوں تو یہ ساری دولت، یہ ساری نعمت، یہ سارے انعامات انہوں نے کہاں سے پائے۔آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور نسبت اور تعلق سے تو صدیوں بعد جس ہستی کے فیوضات اس طرح بٹ رہے ہوں، جو لوگ اس کے قریب اس کے پاس اس کے سامنے موجود تھے وہ محروم کیوں رہے؟ کیا اس وقت حضور بعض لوگوں کے لئے توجہ اور تبلیغ فرماتے تھے۔اور بعض کے لئے نہیں فرماتے تھے؟۔ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ حضور تو ساری نوع انسانی کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سب کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔اگر فرق تھا تو اخذ فیض میں۔بعض لوگ اخذ فیض کی طرف متوجہ ہوتے اور جو ہوئے وہ نہال ہو گئے اور جو اس طرف متوجہ نہ ہوئے جنہوں نے اپنے آپ میں وہ استعداد نہ پائی یا پیدا نہ کی وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بھی محروم ہی رہے۔کسی ولی کی صحبت سے محروم رہنا پھر کونسی بڑی بات ہے۔

تو اخذ فیض کے لئے طالب کا متوجہ ہونا بھی ضروری ہے اور پھر اس متوجہ ہونے کے ساتھ اپنے اعمال میں اپنے وجود میں اپنے خون میں اپنے خیالات میں ایک خاص استعداد پیدا کرے اسی لئے اکل حلال بھی شرط ہے ایک شخص حرام کھاتا ہے اس کی غذا صالح نہیں ہے۔ حلال ہے تو طیب نہیں ناپاک ہے تو وہ ناپاک غذا جب جائے گی تو اس سے خون بنے گا، اسی سے ہڈیاں گوشت

پوست بنے گا۔ سارے وجود میں وہ سرائیت کر جائے گی۔
آب جو پانی آپ گندے نالے سے لے کر آتے ہیں اسے کب تک
فلٹر کر کے اس سے عرق نکالیں گے۔ کہاں تک اس کے ساتھ
محنت کریں گے۔ اور کتنی اس کے ساتھ مشقت کریں گے
اسی طرح سے جو غیر صالح غذا آئے گی وہ وجود میں ایک خاص
اثر پیدا کرے گی جس کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جو گوشت حرام کی غذا سے بنتا ہے۔ النار اولی
بہ آگ ہی اس کے لئے سزاوار ہے۔ اس کی جگہ ہی
آگ ہے۔ اسے جہنم ہی جچتی ہے۔ تو بنیادی شرط ہے
کہ انسان اپنی غذا میں بہت احتیاط کرے۔ جیسے میں نے
کل عرض کیا تھا۔ حلال کے ساتھ طیب کی بھی قید ہے پاک بھی
ہو۔ پھر دوسرا اثر جو مرتب ہوتا ہے وجودِ انسانی پر وہ صحبت
کا ہوتا ہے تو ایک انسان رات بھر اگر اللہ اللہ کرتا رہے
اور چند لمحے نااہلوں کی صحبت میں گزارے تو بنانا تعمیر کی نسبت
تخریب آسان ہوتی ہے۔ رات بھر میں جو اس نے تعمیر کی
ہے اسے ان کی ایک بات ضائع کرنے کے لئے کافی ہو گی۔
یاد رکھیں نااہلوں کی صحبت کے لئے ایک اصول ہے وہ شخص
ان کی صحبت کرنے کی اہلیت رکھتا ہے جو ان میں جا کے
توان کو بھی اپنا جیسا کرے۔ بعض لوگ جو ہیں وہ بدکاروں کے
پاس بھی بیٹھ جائیں تو خود برائی میں ملوث نہیں ہوتے۔ انہیں
نیکی کی طرف مائل کر لیتے ہیں یا کم از کم یہ اثر ہوتا ہے کہ جتنی
دیر وہ ان کے پاس رہیں وہ کوئی برائی نہیں کرتے۔ اگر پوری
طرح نیکی کی طرف وہ پلٹ نہ آئیں تو جتنی دیر وہ شخص ان
کے پاس رہے گا وہ برائی سے باز رہے گا۔ یہ بھی تو فائدہ
ہو گیا۔

لیکن اگر کوئی شخص ایسی صحبت میں جا کر مغلوب ہو جائے
اور ان کا حال اس پر غالب ہو جائے تو اس کی سالکیت
منافع ہو جاتی ہے یہ دونوں باتیں ایک بنیادی
حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر غذا میں فرق آئے تو وہم ذکر میں
بے ذوقی آ جاتی ہے اور اگر نااہل کی صحبت میں جانے
اس کے حال سے مغلوب ہو گیا تو سارا اثر جا کر عبادات پر
پڑتا ہے اور پھر اس کا ذکر میں جی نہیں لگتا۔ اس طرف توجہ
نہیں ہوتی۔ اس طرف طبیعت مائل نہیں ہوتی۔ کیوں
نہیں ہوتی؟ جس طرح انسان کو بخار ہو جائے تو غذا کو جی
نہیں چاہتا۔ کھانے کو جی نہیں چاہتا کچھ پینے کو جی نہیں چاہتا
اسی طرح اس کا اثر براہِ راست روح پر پڑتا ہے اور روح
بیمار پڑ کر اپنی غذا چھوڑ دیتا ہے ورنہ یہ ذکر یہ اخذِ فیض یہ
اخذِ انوارات اس کی اصل غذا تھی اس کی بقا کا سبب تھا
اس کی زندگی کا سبب تھا تو اس سے بے رغبتی کیوں ہے
ہو جاتی؟ اس لئے کہ وہ بیمار ہے۔ اگر ایک آدمی کو بخار
بھی ہوا اور وہ بیٹھا ہوا کھانا بھی کھا رہا ہو پر کیسے ممکن ہے
اس کا تو جی نہیں چاہتا میٹھی چیزیں کڑوی لگتی ہیں اس لئے
نہیں کہ ان کی مٹھاس میں کڑواہٹ آ گئی۔ اس لئے کہ اس
کا منہ بے ذائقہ ہو گیا۔ اسی لئے روح کو اللہ کا نام لینا بھی
دشوار ہو جاتا ہے کیا آپ نے ایسے نہیں دیکھے لوگ۔ جنہیں
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے کان میں
اللہ کہہ دو میرے کان میں لا الہ الا اللہ کہہ دو میں تمہاری نجات
کا ضامن ہو جاؤں گا۔ تو اتنا بھی نہ کہا جا سکا۔ اس قدر
تلخی محسوس ہوتی تھی اس کلمے میں بالکل یہی حال ہوتا ہے
اور اس کی ابتداء ذکر ہی اس بات پر پڑتی ہے کہ ان کی

لف اور اذکار رہ جاتے ہیں جسطرح جسم ٹوٹ رہا ہو بخار ہو تو آدمی انتہائی ضروری کام تو کر لیتا ہے لیکن محنت نہیں کرتا ۔ بھاگ دوڑ نہیں کر سکتا ۔ بس گزارہ کرتا ۔ اور اگر بخار ہو جائے تو ضروری کام بھی رہ جاتے ۔ اسی طرح روح پر یا تو حرام خون کی آمیزش آجائے ان مجلس اور صحبت میں نااہل کی صحبت کو شامل کرے اثر مرتب ہوتا ہے ۔ ذکر کرنے کو جی نہیں چاہتا ۔ اگر بخار ہی ہو جائے تو پھر زد نوافل سے فرائض پر پڑتی ۔ پھر پانچ کی تین اور تین کی دو نمازیں رہ جاتی ہیں ۔ اگر اس پر احتیاط نہ کرے متنبہ نہ ہو تائب نہ ہو رجوع کرے تو پھر آپ نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہوں گے ن کے شب و روز یادِ الٰہی میں بسر ہوتے تھے ۔ اور آج فرائض نماز سے بھی فارغ ہیں ۔ پھر بات وہی بنتی ہے انسان مرض میں مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی جو حقیقی غذا تھی یا ضرورت تھی اس سے محروم ہوتا چلا جاتا ہے ۔ تو میرے بھائی! ان باتوں کے ساتھ اکل حلال کے بعد صحبتِ صالح کے بعد پھر ضروری ہے کہ انسان پوری توجہ سے ذکر کرے اور پوری قوت سے کرے اور پوری تیزی سے سانس کو لے ۔ سانس تیزی سے لینے میں دو باتیں بنتی ہیں ۔ ایک تو توجہ جو ہے وہ بھٹکتی نہیں بلکہ اسی طرف مرتکز ہو جاتی ہے اور یکسوئی طرف متوجہ ہو جائے تو اس فن میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے ۔ اگر متوجہ نہیں ہوگا اگر اسے اس طرف یکسوئی نہیں ہوگی ۔ اگر اس کا ذہن پراگندہ رہے گا تو وہ کچھ اخذ نہیں کر پائے گا ۔ تو اس لئے ایک تو یکسوئی اور توجہ حاصل ہوتی ہے ۔ دوسری جو خاص ضروری شئے ہے وہ خون میں ایک خاص درجہ حرارت پیدا کر دیتا ہے ۔ تو جس طرح روح کے لئے وجود کے ایک خاص درجے کے اور ایک خاص کیفیت کا ہونا ضروری ہے ۔ اسی طرح اخذِ فیضان کے لئے اور انوارات کو جذب کرنے کے لئے خون میں ایک خاص درجۂ حرارت کا پایا جانا بھی ضروری ہے اگر وہ نہ ہو تو انوارات آتے بھی ہیں اور چلے بھی جاتے ہیں وجود میں جذب نہیں ہوتے ۔ وہاں اپنا ٹھکانا نہیں بناتے وہاں اپنی جگہ نہیں بناتے اور جب تک وہ وجود میں جگہ نہ بنائیں تب تک منازل سلوک کی بنیاد نہیں بنتی ثواب ہوتا رہتا ہے ۔ آپ ساری عمر ذکر کرتے رہیں تو اللہ کا نام لینے سے ثواب ہوگا ، نیکی ہوگی ، برکت ہوگی یہ اور بات ہے ثواب کا ملنا اور بات ہے اور منازل قرب کو پالینا یہ کچھ اور بات ہے ۔ تو جب تک انوارات وجود میں جاگزیں نہیں ہوں گے وہاں اپنی جگہ نہیں بنائیں گے وہاں مستقل ٹھہریں گے نہیں تب تک منازل بالا کی بنیاد ہی نہیں بن سکتی تو اس سب کے لئے میرے بھائی ضروری ہے کہ ہم چند لمحات جو ذکر میں بسر کرتے ہیں ان میں اپنی پوری محنت پوری کوشش کو صرف کر دیں ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ انتہائی قوت کی بات ہے کہ جو لوگ سالوں کاروبار میں مصروف رہیں انہیں دنوں میں سلوک کے منازل طے کرا دئے جائیں ۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ تمام سلاسل میں لوگ طالبوں کو تنہائی میں رکھتے ہیں ۔ جنگلوں میں بھیج دیتے ہیں ۔ معاشرے سے جدا کر دیتے ہیں ۔ تو اس سارے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کا ذہن

جو ہے وہ ہر طرف سے ہٹ جاتا ہے۔ اور اس میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور وہ یکسوئی جو ہے وہ ایک خاص مزاج اور کیفیت پیدا کرتی ہے۔ جذب کی اور استعداد پیدا کرتی ہے اخذ نور کی۔ تو اس سے اخذ انوارات تو ہوتا ہے لیکن وہ کس قدر اعمال سے محروم ہو جاتا ہے معاشرے میں رہ کر وہ کتنے اعمال کرتا ہے۔ اگر ہر کام میں وہ سنت حبیب کو ملحوظ رکھتا ہے تو وہ کس قدر نیکی کو پاتا ہے۔ لیکن وہ اس نیکی کے لئے اپنا استعداد کو ضائع کرتا ہے۔ اس لئے وہ اس کو جدائی کا حکم دے دیتے ہیں۔ یہ اس طریقے کے بانی فضائل کی جگہ یہ فضیلت بھی ہے کہ جو اس کی بیعت میں آتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ صدیوں باہر رہے سالوں باہر رہے۔ جب آتا ہے شیخ کے سامنے جب اس کی توجہ میں آتا ہے تو پھر ایسے ہو جاتا ہے جیسے وہ کبھی ذکر الٰہی سے باہر تھا ہی نہیں۔ تو یہ قوت کی بات ہے۔ اللہ کریم نے اس سلسلے میں یہ برکت یہ قوت رکھی ہے اور یہ واحد سلسلہ ہے جو مخلوق کے ساتھ اختلاط سے منع نہیں کرتا گھروں میں رہو، کاروبار کرو دکانیں کرو ملازمت کرو بیوی بچوں کے ساتھ رہو لیکن مقررہ طریقے سے مقررہ اوقات پر ذکر کرتے رہو تمہارا سینہ منور رہے گا۔ یہ اس سلسلے کی خصوصیات میں سے ہے۔ تمام سلاسل میں یہ بات نہیں ہے۔ لیکن ان سب کے ساتھ ہم وہ کیفیت اور طریقہ ذکر اور ذکر کی خاصیت بھی چھوڑ دیں تو اکثر خطوط آتے ہیں کہ جی فرصت ذکر کے لئے نہیں ملتی وقت نہیں ملتا، جی نہیں چاہتا۔ اُٹھنے کو طبیعت نہیں چاہتی تو یہ ـــ بھائی یہ ساری باتیں اس کی تہہ میں ہیں ان دو میں سے ایک بات ضرور ہوگی۔ یا تو غذا حلال نہیں رہی ہوگی اور اگر حلال ہوگئی تو طیب نہ رہی ہوگی۔ اور یا نا اہلوں کی صحبت ہوگی۔ وہ نا اہلوں کی مجلس جو ہے وہ بھی اس کو اسی طرح متاثر کرتی ہے جس طرح غیر صالح غذا متاثر کرتی ہے۔ تو ان دونوں کا علاج پھر یہ ہوگا کہ وہ ایک دھوبی پڑ کرے ان کے ساتھ قوت کے ساتھ لطائف کرے طاقت کے ساتھ کرے تاکہ خون میں ایک خاص جوش پیدا ہو اور صحبت غیر صالح اور غیر صالح غذا سے اجتناب بھی کرے گذشتہ پر توبہ کرے آئندہ کے لئے احتیاط بھی کرے چونکہ طالب کی طرف سے استعداد کا ہونا لازمی ہے۔ اگر اس کے پاس طلب نہیں تھی ورنہ وہاں دینے میں کوئی کمی نہ تھی وہاں دینے میں کوئی معاذ اللہ بخل نہ تھا، وہاں دینے میں کوئی کسی کے ساتھ فرق نہیں تھا۔ یہی حال شیخ کا ہوتا ہے جب وہ توجہ کرتا ہے تو کبھی یہ نہیں کرتا کہ اس شخص پر توجہ زیادہ ہو جائے اور اس پر توجہ کم ہو۔ وہ تو ایک فوارہ ہے نور کا جسے وہ ان پر انڈیل دیتا ہے، پلٹ دیتا ہے اب اپنا اپنا دامن ہے کسی کا گریبان ہی چاک ہو، دامن ہی نہ رکھتا ہو تو وہ کہاں سے جھولی بھرے گا اور وہ کس کے ساتھ شکوہ کرے گا۔ اور پھر اس راہ کے عجیب عجیب منازل و مناظر ہیں عجیب عجیب دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار ایک بھرے ہوئے بازار میں سے کسی کو اگر ایک دانہ مٹھائی کا مل جائے۔ تو بعض ایسے بے وقوف ہوتے ہیں کہ اسی کو سرمایہ حیات بنا لیتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ یہاں تو منوں کے حساب ٹنوں کے حساب پڑی ہے۔ میں اس ایک دانے پہ کیوں خوش ہوں۔

بعض لوگوں میں فطرتاً یکسوئی کا مادہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا ذہن جو ہے اس میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ وہ بہت سی باتوں کی طرف متوجہ رہیں۔ اس میں یہ قوت کم ہوتی ہے اور اس کمی کی وجہ سے اس میں یکسوئی زیادہ ہوتی ہے جیسے اگر کوئی شخص پاگل ہو جائے تو وہ ایک طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور آپ نے دیکھا ہوگا کہ اسے اس یکسوئی کی وجہ سے کشف ہونا شروع ہو جاتا ہے وہ بعض گذشتہ واقعات بیان کرتا ہے۔ بعض باتیں یہاں بیٹھ کر دور کی کرتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ ولی ہو گیا ولی نہیں ہو جاتا پاگل ہونے سے بلکہ اسے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔ عالمِ بالا میں تو اس کا دخل نہیں ہوتا پاگل ہے۔ تو دنیا یہ جہاں تک اس کے خیالات جا سکتے تھے۔

جہاں تک اس کا علم ہوش میں تھا تو جہاں تک اس کا علم تھا وہاں تک کی باتیں وہ کرتا رہتا ہے اسی طرح سے بعض لوگوں کے ذہن جو ہوتے ہیں ان میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ ایک طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں یہ قوت ہی نہیں ہوتی کہ بیک وقت ہزاروں باتوں کو کنٹرول کر رہے ہوں۔ اس وجہ سے انہیں انکشافات ہو جاتے ہیں۔ اب جب کشف ہو گیا تو اس شخص نے یہ سمجھ لیا کہ یہ قبولیت کی دلیل مل گئی۔ اب مجھے مزید محنت کی ضرورت ہی نہیں تو بعض کے لئے کشف کا نہ ہونا حجاب بن گیا اور بعض کے لئے کشف کا ہو جانا حجاب بن گیا۔

تو جس طرح جسے کشف نہیں ہوتا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ محنت کرے اس سے زیادہ اس کے لئے ضروری ہے جسے کشف ہوتا ہے کہ وہ محنت کرے جسے کشف نہیں ہوتا اس میں ایک طرح سے آئے گی بے ذوقی کہ میں بہت محنت کرتا ہوں شاید میرے حصے میں کچھ نہیں یہ بھی ہے تو نالائقی لیکن ایک طرح کی ہے اور قابلِ معافی ہے کہ وہ نقص اپنی طرف کر رہا ہے نا! اس کے خیال میں اگر کوئی کمی ہے اگر کوئی نقص ہے تو اس کی اپنی ذات میں ہے نا! تو جب کشف کسی کو ہوتا ہے اور وہ کام چھوڑ دیتا ہے تو وہ اپنی طرف نسبت کمال کی کرتا ہے کہ مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے اور اللہ کی کائنات میں کوئی اس سے مستغنی نہیں۔ انسان کسی درجہ میں چلا جائے۔ حضرت معین الدین اجمیریؒ سے بات ہوئی تو فرمانے لگے کہ میں نے ایک سو بیس سال عمر پائی ہے۔ حضرت فرمانے لگے کہ چار دن مجھ سے لطائف چھوٹ گئے تھے تو مرض الموت میں ۱۲۰ سالہ عمر میں اور منازل ان کے عالمِ امر میں ہیں بہت اعلیٰ منازل ہیں آپ کے گنے چنے افراد سے جو اس پوری زمین پر سات آٹھ دس کی تعداد میں ملتے ہیں ان افراد میں سے ایک ہیں فرماتے تھے چار دن میں لطائف نہیں کر سکا جس کا مجھے اب بھی افسوس ہے ایک سو۲۰ سالہ عمر میں اور اس بلندی منازل میں چار دن فرماتے تھے لطائف چھوٹ گئے کہ مرض الموت میں مجھے ہوش نہیں تھی کہ نہیں سکتا تھا مجبور ہو گیا۔ یہاں کیا ہوتا ہے کہ محض تلونیات قلب بھی نظر آ جائے تو پھر گھگو بن بیٹھے ہیں حضرت صاحب بن کر! ارے تو وقت کیوں نہیں کرتا کیوں کام نہیں کرتا! پھر ملنا چھوڑ دیں گے پھر تقریر سننا چھوڑ دیں گے۔ قرآن کا درس ہو رہا ہو گا

اور وہ کشف کئے کسی جھاڑی کے پاس بیٹھے ہوں گے۔ ارے تو اتنا مستغنی کیسے ہو سکتا ہے اللہ کے ساتھ! کوئی صاحبِ کشف کامل نہیں ہو سکتا اور کوئی صاحبِ کشف شیخ سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ کوئی بھی کسی مقام پہ پہنچ جائے اس کی ڈور جو ہے وہ شیخ کے ہاتھ میں ہی رہتی ہے وہاں سے جنبش ہو گی تو وہ بلندی پر چلتا جائے گا۔ اگر ایک لمحہ کے لئے کٹ گئی تو وہ اُن جو آسمانی میں ایک کٹے ہوئے پتنگ کی طرح دھکے کھا رہا ہو گا۔ کیا خبر کس گڑھے میں جا کر گرے اور کس جھاڑی پہ اٹک جائے۔ تو یہ ایک ایسی شے ہے، ایسا فن ہے، ایسا کمال ہے کہ علمِ ظاہر کی طرح نہیں ہے کہ چند کتابیں پڑھ لیں وہ پڑھنی تھیں اب اُسے استاد کی ضرورت نہیں ہے اس نے جو کچھ اس کے پاس تھا وہ پڑھ لیا۔ یہ کوئی لفظوں کی بات نہیں۔ یہ کیفیات ہیں۔ کیفیات ہمیشہ تعلق سے رہتی ہیں۔ اگر لوہا آگ میں بن کر رہتا ہے تو اس کے لئے آگ میں رہنا ہی ضروری ہے اگر لوہا آگ بن سکتا ہے تو اس کا آگ بن کر رہنا جو ہے وہ آگ کے ساتھ مشروط ہے۔ آگ سے جدا ہو گا تو چند لمحے بھی اس میں وہ کیفیت نہیں رہے گی پھر لوہے کا لوہا ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ کیفیات ہیں اور ان کا مدار ہے اس تعلق کو قائم رکھنے پر۔ تو میرے بھائی جتنا جتنا کسی کو منازل حاصل ہوتے بھی چلے جائیں اتنا ہی زیادہ اسے محتاط بھی ہونا پڑتا ہے اتنی ہی زیادہ اُسے محنت بھی کرنی ہو گی۔

میں نے دیکھا ہے احباب کو کہ ذکر کے لئے آتے تھے لطائف سیکھنے کو آتے تھے۔ تو ہمیں چین ہی لینے نہیں دیتے تھے ہمارا کھانا پینا اور آرام کرنا مشکل کر دیا تھا جب دیکھو دروازے پر کھڑے ہیں۔ فوراً اسباق کرا دو۔ اور اب پوچھو تو کہتے ہیں کہ بچہ بیمار تھا، بیوی کی طبیعت خراب تھی میں یہاں آ نہیں سکا اب بیوی آڑے آ گئی ہے۔ اب نہ بچے، بیوی زیادہ اہم ہو گئی ہے ذاتِ باری سے۔ اب بچے نکل گئے ہیں جب سیکھنے کو آتے تھے تب بچے کہاں تھے، کاروبار کہاں تھا، دکان پہ کون ہوتا تھا۔ زمینداری کون کرتا تھا؟ اور آج اگر چند ٹکے نصیب ہو گئے ہیں تو ان سے بھی استغنا برتتے ہو جن کے صدقے یہ ملے ہیں، کب تک برتو گے؟ کب تک بچو گے؟ وہ کسی نے کہا تھا نا کہ حضرت! فلاں شخص تو بے چارا بیٹا بیمار تھا مرتا مرتا بچ گیا۔ انہوں نے فرمایا بچ بچ کر مرے گا کہاں جائے گا تو یہ استغنا جو ہے شیخ سے یا حصولِ فیض سے مستغنی ہو جانا جو ہے یہ طالب کی موت ہے۔ کہیں ہو کسی جگہ پر ہو حضرت خبیبؓ کی طرح گلے میں پھندا ڈال رکھا ہے اور پھانسی دینے کا ارادہ نہیں ہے سولی پہ۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ سولی سے لٹکا دو اور نیزوں سے چھلنی کرتے ہو کسی ایسی جگہ نیزہ نہ مارو کہ جس سے فوراً موت واقع ہو جائے۔

تو آپ نے دُعا مانگی کہ اللہ اس پورے جمِ غفیر میں مجھے کوئی ہمدرد، کوئی غمگسار نہیں آتا۔ ایک نظر ہو جو یہاں موجود ہو جو میری حالت دیکھ رہا ہو اور میری بات حضورؐ تک پہنچا بھی سکتا ہو، تو میرا سلام بارگاہِ نبویؐ میں پہنچا دے۔ تعلق کا مزا یہ ہے۔ یہ نہیں کہ بیوی کو زکام ہو گیا بس شیخ کے پاس حاضری سے مانع ہو گیا، دیوار بن گئی۔ اب تو کب تک پیشاب کی بوتل لئے پھرے گا۔ کیا یہی لے کر قبر میں جائے گا کہ اللہ! بیوی بیمار تھی، قارورہ پاس ہے اور میں کیا کرتا۔ یہ کوئی عذر شرعی نہیں ہے۔ کون بیمار نہیں ہوتا۔ کیا حضرت کے گھر میں کوئی بیمار نہیں ہے کیا حضرت کو کوئی کام گھر کا یا دنیا کا نہیں ہے

کیا ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم سب کو تو کام ہے اور حضرت معاذ اللہ
معاف بیٹھے ہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ اتنی مشکلات ہم میں سے
کسی ایک پر پڑتیں تو وہ پاگل ہو جاتا۔ ہم سب سے زیادہ حضرت
کو مجبوریاں ہیں مگر ان سب کو سینے میں دبائے وہ ہمارے
لئے پورا پروگرام حضرت تو دے سکتے ہیں ہم نہیں دے سکتے
بھائی کسی کی مجبوری تو سمجھ میں آئی؟ ایک ملازم تھا
چھٹی نہیں ملی۔ لیکن اُسے خبیبؓ کی طرح تڑپنا وہاں کبھی چاہئے،
اور یہ کوئی مجبوری تو نہیں۔ میرا کام تھا۔ میری بیوی کی طبیعت
خراب تھی یہ ایک ایک بیوی چار چار مردوں کو دوزخ میں لے جانے
کا سبب بنے گی۔ ایک عورت کے ساتھ چار مرد دوزخ میں جائیں
گے سب سے پہلے باپ سے پرسش ہوگی کہ تیرے گھر میں پلی
تھی تو نے اسے دین سکھایا؟ پھر بھائی سے پوچھا جائے گا
تیرے ساتھ پلی پڑھی تو نے اسے دین سکھایا۔ پھر خاوند
سے پوچھ ہوگی کہ تیرے گھر میں اس نے عمر بسر کی تو نے اسے
دین سکھایا؟ پھر اولاد کی باری آجائے گی کہ جب تیری ماں تھی
تو نے اسے اللہ کی طرف متوجہ کیا۔ اگر نہیں کیا تو چاروں اس کے
ساتھ جاؤ۔

یار باتیں کریں گے تو لوگ ناراض ہو جائیں گے نہیں کریں گے
تو اپنا دل پھٹتا ہے اگر کہتے ہیں تو مشکل ہے لیکن بات کھری ہے
اور کہنی چاہیئے کہ آپ لوگوں کے لئے یہ ضروری ہے اور اگر اللہ
اللہ کہنے والے ہی سچ نہیں بولیں گے تو دنیا میں کون کسی سے
بولے گا کون کہے گا کسی کو سچی اور کھری بات اور یہ جنس کہاں
سے حاصل ہوگی۔ اگر اس دکان سے بھی نہیں ملے گا تو پھر
کہیں سے بھی نہیں ملے گی۔ نہ یہ کوئی طنز ہے معاذ اللہ۔
خداوند عالم توفیق نہ دے نہ کوئی استہزاء ہے بلکہ ایک حقیقت
ہے جس میں لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں اور میں آپ کو متنبہ کرتا ہوں
کہ اس راہ کی یہ رکاوٹیں ہیں۔ ذرا ان کو دھیان میں
رکھئے گا۔ ذرا ان کے متعلق بھی سوچیئے گا۔ اور پھر عموماً یہ
ہوتا ہے کہ جب کبھی دین پر جانے کے لئے نکلو کوئی نہ کوئی
دنیاوی مجبوری آجائے گی۔ یہ اس لئے نہیں ہوتا کہ تمہیں
دینی کام سے خدا روکتا ہے۔ بلکہ اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ یہ
چاہتا ہے کہ تم اس مجبوری کو چھوڑ کر نکلو اور میں تم پر اپنی رحمتِ
عام کردوں۔ یہ ہوتا اس لئے ہے ہم کبھی پاتے ہیں، جب کبھی
دورے کے لئے جانا ہو شرط ہے جب کبھی جمعہ پڑھانے کے
لئے جانا ہو تو کوئی بچہ بیمار ہوگا یا بیوی کی طبیعت ناساز ہوگی
کسی جانور کی ٹانگ ٹوٹی ہوگی۔ یا کوئی نہ کوئی افتاد پڑی ہوگی۔
لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ محض عطا کا ایک بہانہ ہے۔ اللہ کریم
کچھ دینا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی طرف سے بھی کچھ
حرکت ہو جائے، کچھ بہانہ بن جائے عطا کرنے کے لئے کیونکہ
رحمتِ حق کی قیمت نہیں دی جا سکتی رحمتِ حق بہانہ جوئید
وہاں تو صرف بہانہ بنتا ہے ایک عارضی سبب بنتا ہے۔

یہ بھی ایک شرط ہے آپ آئندہ تجربہ کریں اور نوٹ کرکے
دیکھیں جب کبھی آپ دین کے کام کے لئے نکلیں گے کوئی نہ
کوئی مجبوری ضرور آڑے آئے گی۔ یہ اس لئے نہیں ہوتی کہ آپ
کو روک دیا جائے۔ اس لئے ہوتی ہے کہ آپ اس کو پھلانگ جائیں
تاکہ اللہ آپ پر اپنی رحمت اور بخشش عام کردے تو اسے عبور
کرنا چاہیئے، اس سے نکل جانا چاہیئے اس کو پس پشت ڈال
دینا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ اس کو پکڑ کر بیٹھ گیا تو بجائے عطا
کے محرومی لے کر بیٹھا جو سبب بخشش کا تھا جو سبب کچھ پانے
کا تھا۔ اسی کو محرومی کا سبب بنا لیا۔ یہ ہماری ناسمجھی نالائقی

اور نااہلی کا ثبوت ہے تو میرے بھائی متوجہ رہنا ہر گھڑی ہر آن دکھ ہو تکلیف ہو، صحت ہو، بیماری ہو، سفر و حضر ہو تمام کے لئے متوجہ رہنا شرط ہے۔ دوسری شرط ہے کہ اس کا کھانا حلال اور طیب ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس کی محفل نااہلوں سے ساتھ نہ ہو۔ اگر کوئی نہیں ملتا مطالعہ کرتا رہے، کوئی نہیں ملتا تو ذکرِ الٰہی کرتا رہے وہ اکیلا نہیں ہوگا اس کے ساتھ اللہ کی بے شمار مقرب مخلوق ہوگی۔ اور اگر یہ بھی نہیں کرتا تو نالائقوں کے پاس بیٹھنے سے سو رہنا بہتر ہے۔ اس میں نقصان نہیں ہوگا ان ساری باتوں کا دھیان رکھنے کے بعد مقررہ اوقات جو ہیں مغرب سے عشاء اور سحری کے نوافل سے فجر کی اذان تک۔ ان کو۔ حتی الامکان ضائع نہ ہونے دے کہ حضور نبی کریم کی مسجد سے کر ہم تک جو سلسلہ مشائخ حضرات کا چلتا ہے سارے مشائخ ان اوقات میں طالبوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں مغرب سے عشاء کے درمیان اور نوافل سے اذان تک یہ جو اوقات ہیں ان میں پورے سلسلے کے مشائخ برزخ سے بھی متوجہ ہوتے ہیں طالبوں کی طرف۔ ان اوقات کو حتی الامکان ضائع نہ ہونے دے کام میں لگا ہوا ہو تو بھی ذکر کرتا رہے سفر میں ہو تو بھی کرتا رہے چھوڑے نہیں بیمار ہو اٹھ نہیں سکتا نوافل چھوٹ گئے ذکر نہ چھوڑے لیٹا ہوا بھی لطائف کرتا رہے۔ کیوں اس توجہ کو چھوڑتا ہے جب وہ چند سانس لینے سے حاصل ہو سکتی ہے اور غالباً میں یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ سانس تیزی اور قوت سے سینے کو ایک خاص دخل ہے۔ وہ خون میں وہ کیفیت پیدا کرتا ہے جو عالمِ بالا کے انوارات کو قبول اور جذب کرتی ہے۔

خداوندِ عالم مجھے آپ سب کے طفیل آپ سب کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بقیہ حسین و سادہ :- باہر ہے خود قرآن پاک ان کی تعریف اس طرح مدح سرا ہے فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ یعنی جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو زمین پر پیشانی کے بل لٹا کر ان کے گلے پر چھری چلانے لگے تو آسمان کے فرشتوں سے یہ نظارہ نہ دیکھا جا سکا اور وہ بے ساختہ چلانے لگے کہ اے اللہ واقعی ابراہیم تیرا خلیل ہے اللہ نے چھری کو حکم دیا خبردار میرے عاشق صادق کے بیٹے اور میرے شیدائی کے بال کو بھی بیکا نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ارشاد ہوتا ہے وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ۔ اے ابراہیم تو نے اپنے خواب کو سچا کر کے دکھایا یہ جانب سے ایک بہت ہی بڑا امتحان تھا اس اس امتحان میں تم کامیاب قرار دیئے گئے۔ اس کامیابی کی یادگار میں آج بھی امتِ مسلمہ دسویں ذی الحجہ کو جانور ذبح کر کے عید مناتے ہیں درحقیقت یہ اُن کے عرقِ انفعال کے موتی ہیں جو شانِ کریمی نے چن لئے ہیں ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے ۔ قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

(ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں)

از حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہٗ

رجم شرعی سزا ہے اور حد ہے

حد کی تعریف:۔

البدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۳۳:۷

الحد فی اللغة عبارة عن المنع ومنه سمی البواب حدادا لمنعه الناس عن الدخول ۔ وفی الشرع عبارة عن عقوبة مقدرة واجبة حقا للہ تعالیٰ عزشانہٗ بخلاف التعزیر فانه لیس بمقدر قد یکون بالضرب وقد یکون بالحبس وقد یکون بغیرھا ۔

لغت میں حد عبارت ہے منع کرنے سے، اسی وجہ سے دربان کو حداد کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو اندر داخل ہونے سے منع کرتا ہے ۔ شریعت میں حد سے مراد وہ مقرر شدہ سزا ہے جو واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کے برعکس تعزیر وہ سزا ہے جو متعین نہیں ہوتی کبھی یہ سزا قید کی صورت میں ہوتی ہے اور کبھی مار پیٹ کی اور کبھی ان کے علاوہ کسی اور صورت مثلاً جلا وطنی وغیرہ میں ہوتی ہے ۔

اس تعریف سے ایک بات واضح ہوگئی کہ حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ حد من جانب اللہ کسی جرم کی مقررہ سزا ہے ۔ اس میں کمی بیشی حاکم کے اختیار میں نہیں ہے ۔ بلکہ شارع علیہ السلام نے جو بیان کر دی وہی رہے گی تعزیر وہ سزا ہے جس کی صورت اور مقدار مقرر کرنا حاکم کے اختیار میں ہے ۔

زنا کی حد:۔ واما حد الزنا فنوعان، جلد ورجم وسبب وجوب کل منھما وھو الزنا وانما یختلفان فی الشرط لوجوب الجلد ان التعزیر یحتمل الاختلاف فی القدر والصفة ھذا وجہ الاول والثانی انه لا مجال للاجتھاد فی الحد بل لا یعرف الا بالتوقیف وللاجتھاد مجال فی التعزیر

زنا کی حد یعنی مقررہ سزا دو قسم کی ہے زانی کو کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا ۔ دونوں سزاؤں کے وجوب کا سبب ایک ہی ہے ۔ یعنی زنا ، یہ دونوں سزائیں شرط میں مختلف ہیں ۔ وہ شرط احصان ہے احصان وجوب رجم کے لئے شرط ہے اور کوڑے لگانے میں احصان شرط نہیں ہے) تعزیر میں مقدار سزا اور صورت میں اختلاف کا احتمال ہے ۔ حد اور تعزیر کے

متفائر ہونے کی ایک وجہ یہ ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حد میں کسی کو اجتہاد کرنے کی مجال نہیں نہ کسی کا اجتہاد چلتا ہے۔ حد حکم توقیفی ہے (جیسا رسول کریم نے کیا یا فرما دیا) اور تعزیر میں مجتہد کے اجتہاد کو دخل ہے۔

حد اور تعزیر میں واضح فرق یہی ہے کہ حد میں حاکم کو دخل دینے کی اجازت نہیں اور تمام حدود میں شدید ترین حد زنا محصن کی ہے جو شخص زنا کی کسی صورت کو تعزیر کے تحت لاتا ہے۔ اور رجم کو زنا کی حد قرار نہیں دیتا وہ ایک تو عربیت کے امتیاز سے جاہل ہے دوسرا اسلام کی بنیادی تعلیم اور اسلامی قانون کے ماخذوں سے نابلد ہے اور حدیث رسول، فعل رسول تعامل خلفائے راشدین اور تعامل صحابہ کو دین میں جو حیثیت حاصل ہے اس کے پیش نظر تو وہ صرف جاہل ہی نہیں جہل مرکب ہے۔ حد زنا پر تو اجماع ہے چنانچہ:-

احکام القرآن۔ جصاص ۳: ۲۶۳

وقد ثبت الرجم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لفعل النبی وبنقل الکافۃ والخبر الشائع المستفیض الذی لامساغ للشک فیہ واجمعت الامۃ علیہ فروی الرجم ابوبکر وعمر وعلی وجابر بن عبد اللہ وابو سعید الخدری ابوھریرۃ و بریدۃ الاسلمی وزید بن خالد فی اخرین من الصحابۃ وخطب عمر فی کتاب اللہ لاثبتہ فی المصحف ولعض ھولاء الرواۃ یروی خبر رجم ماعز ولعضھم خبرا لجھنیۃ والغامدیۃ الخ

حقیقت یہ ہے کہ رجم کی سزا نبی کریم ؐ کے فعل سے ثابت ہے پھر تمام امت کے نقل کرنے سے۔ اور یہ حدیث رجم کی مشہور معروف مستفیض ہے (جو صحیح کی اعلیٰ قسم ہے) جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور اس حدیث رجم پر تمام امت محمدیہ کا اجماع اور اتفاق ہے۔ اس حدیث رجم کو صدیق اکبر عمر فاروقؓ، علیؓ مرتضیٰ، جابر بن عبداللہ ابو سعید خدری، ابوہریرہ بریدہ اسلمی، اور زید بن خالد جو اخرین صحابہ سے ہیں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بیان کیا ہے۔ اور صحابہ کے مجمع میں فاروق اعظم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا مجھے اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا ہے تو میں اسے کتاب اللہ میں لکھ دیتا (یعنی حاشیہ قرآن پر) اور ان میں سے بعض راویوں نے ماعز، جہنیہ اور غامدیہ کو رجم کی سزا دینے کی خبر روایت کی ہے۔

خلاصہ یہ کہ رجم کی سزا دینا فعل رسول ہے جلیل القدر صحابہ کی روایت ہے۔ پوری امت کا اس پر اجماع ہے۔ لہٰذا اس کا انکار، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل، امت کے اجماع، تعامل صحابہ اور تمام محدثین فقہاء، مفسرین اور متکلمین کی کھلی مخالفت ہے۔

تفسیر مظہری ۶: ۴۱۲ قال علماء الفقہ والحدیث وقد جری عمل الخلفاء الراشدین بالرجم مبلغ حد التواتر

ایضاً ص ۱۰۴٬۱۷

وانا کان الزانی والزانیۃ محصنین یرجمان باجماع الصحابۃ ومن بعدھم من علماء وانکرہ الخوارج لانکارھم اجماع الصحابۃ والحق ان الرجم ثابت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم باخبار المتواترۃ بالمعنی . . . .

ان عمر خطب فقال ان اللہ قد بعث محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بالحق وانزل علیہ الکتاب فکان مما انزل فیہ ایۃ الرجم فقرأناو وعیناھا الشیخ والشیخۃ اذا زینا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم ورجم رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا من بعدہ (الحدیث) وفی اخرہ ولولا اخشی ان یقول الناس زاد عمر فی کتاب اللہ لاثبتۃ فی حاشیہ المصحف الی ان قال فانی خشیت ان یجیئ قوم فلا یجد ونہ فی کتاب اللہ فیکفروا بہ - وکان ھذا یعنی خطبۃ عمر بحیض من الصحابۃ ولم ینکر علیہ۔

روح المعانی ۱۸: ۷، یہ بھی اجماع صحابہ کو تی خطبۂ عمرؓ موجود ہے یہ خطبہ ۲۳ھ میں بعد حج مدینہ منورہ میں دیا تھا۔ مخاطب تمام صحابہؓ تھے۔

تفسیر ابن کثیر ۳: ۲۶۱ : عن ابن عباس قال خطب عمر ابن الخطاب فذکر الرجم فقال انا لا نجد من الرجم بدا انہ حد من حدود اللہ تعالیٰ الا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد رجم ورجمنا بعدہ ولولا ان یقول الناس ان عمر زاد فی کتاب اللہ ما لیس فیہ لکتبت فی ناحیۃ من المصحف الی ان قال انہ سیکون قوم من بعد کم یکذبون بالرجم

ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا اس میں رجم کا ذکر کیا فرمایا ہمیں رجم کرنے کے سوا چارہ نہیں کیونکہ رجم اللہ کی حدود سے ایک حد ہے۔ کان کھول کے سن لو۔ رسول کریمؐ نے زانی کو رجم کیا اور حضورؐ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ اگر لوگ یہ کہدیں کہ عمرؓ نے کتاب اللہ میں اضافہ کیا جواب قرآن میں موجود نہیں تو میں آیت رجم قرآن کے حاشیہ پر لکھ دیتا عنقریب تمہارے بعد ایک قوم ہوگی جو رجم کی تکذیب کرے گی . . . ان میں سے کوئی کہے گا ہم آیت رجم

قرآن میں نہیں پاتے تو وہ لوگ اللہ کے فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے اللہ کے فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ پس رجم حق ہے کتاب اللہ میں اس پر جس نے زنا کیا۔

فاروق اعظمؓ کے خطبہ کی حیثیت زیب داستان کی نہیں بلکہ یہ ایک جلیل القدر صحابی خلیفۂ راشد کا خطبہ ہے اور سامعین صحابہ کی وہ جماعت ہے جنکی تربیت خود خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ اس پوری جماعت کا اس پر اجماع سکوتی ہے جو رجم کے حد ہونے کی قطعی دلیل ہے جس کا انکار اُمت محمدیہ کے کسی فرد نے نہیں کیا ہاں ماضی میں خوارج نے اس کا انکار کیا اور حال میں ان جدت پسندوں نے اس کا انکار کیا جنہوں نے انگریز کی گود میں آنکھیں کھولیں اس کی لوریوں سے پلے اس تعلیم و تربیت میں جوان ہوئے اور اسی خدا ناشناس ماحول میں زندگی گذار دی۔ وقتی مجبوری کے تحت اسلام سیکھا تو وہ بھی انگریز سے۔ لہٰذا اس مغرب زدہ اور کم سواد مخلوق کا انکار دین میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ جہلاء کا قول قابل التفات نہیں ہے۔

تفسیر روح المعانی ۱۸: ۷۸۔ وقد اجمع الصحابة رضی اللہ عنہم ومن تقدم من السلف وعلماء الامة وائمة المسلمین علی ان المحصن یرجم بالحجارة حتی یموت وانکار الخوارج باطل الی ان لدن ثبوت الرجم منه صلی اللہ علیه وسلم متواترا المعنی۔

تمام صحابہ کرامؓ کا، سلف صالحین کا، تمام علماء اُمت کا اور ائمہ مسلمین کا اجماع ہے اس پر کہ زانی محصن کو پتھروں سے مارا جائے یہاں تک کہ مرجائے۔ اور خارجیوں کا اس سے انکار کرنا باطل و مردود ہے کیونکہ رجم کا ثبوت نبی کریمؐ سے تواتر معنوی سے پایا جاتا ہے۔

تفسیر کبیر: ۲۱۵۔ واحتج الجمهور من المجتهدین علی وجوب رجم المحصن لما ثبت بالتواتر انه علیه السلام فعل ذلك

تمام علمائے مجتہدین نے وجوب رجم زانی محصن پر فعل نبی کریمؐ سے دلیل پکڑی ہے اور حضورؐ کا زانی محصن کو رجم کرنا تواتر سے ثابت ہے۔

تفسیر فتح القدیر۔ شوکانی:۔

واما من کان محصنا من الاحرار فعلیه الرجم بالسنة الصحیحة المتواترة وباجماع اهل العلم وبالقرآن المنسوخ لفظه الباقی حکمه

زانی جو محصن یعنی شادی شدہ اور آزاد ہو اس پر رجم ہے یہ رجم کا حکم صحیح سنت متواترہ سے اجماع صحابہ سے ثابت ہے اور قرآن سے جس کے لفظ منسوخ ہیں اور حکم بھی باقی ہے۔

فیض الباری ۴: ۴۹

قلت وتلك الآیة وان نسخت فی حق التلاوة الا ان هذا الرکوع کله فی قصة الرجم

میں کہتا ہوں آیت رجم اگرچہ منسوخ التلاوۃ ہے مگر محقق یہ بات ہے کہ یہ پورا رکوع قصۂ رجم میں نازل ہوا ہے۔

فیض الباری ۱۲: ۹۵

قال ابن بطال اجمع الصحابة وائمة الامصار علی

علامہ ابن بطال نے فرمایا کہ اس پر تمام صحابہ اور تمام ائمہ دین کا

ان المحصن اذا زنی عامدا عالما مختارا فعلیہ الرجم اجماع اور اتفاق ہے کہ جب شادی شدہ آدمی ارادۃً علم رکھتے ہوئے اپنے اختیار سے زنا کرے اس پر رجم واجب ہے، خارجیوں نے اس کا انکار کیا ہے۔
بنزع خلاف الخوارج

شیخ محقق ابن الہمام اپنی کتاب فتح القدیر جلد خامس کتاب الحدود میں فرماتے ہیں کہ ثبوت حد رجم رسول اکرمؐ سے متواتر المعنی ہے جس طرح شجاعت علی اور سخاوت حاتم . . . اس کا انکار کرنا دلیل قطعی کا انکار کرنا ہے بالاتفاق

یہ امر اپنی جگہ مسلّم ہے کہ اس بات کی تحقیق کی جائے کہ زانی محصن کو رجم کرنا کیا فعل رسولؐ ہے؟ کیا یہ ایک تاریخی حقیقت ہے؟ پھر یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ کیا حضورؐ اکرم کے بعد یہ حد جاری رہی؟ یا خلفائے راشدین اور صحابہ نے اس سے اختلاف یا انکار کیا۔؟

پھر یہ دیکھنا ہے کہ علمائے اُمت، ائمہ مجتہدین نے فصل رسول اور تعامل صحابہؓ کو کیا حجت قرار دیا ہے یا اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر معتبر تاریخی واقعات سے حد رجم فعل رسول ثابت ہے، اگر حضورؐ کے بعد صحابہ نے اس پر عمل کیا اور صحابہ کا اس پر اجماع ثابت ہے اور اگر تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ پوری اُمت کا اس پر اتفاق ہے اور یہ تینوں امور تاریخ سے ثابت ہیں تو اس کے باوجود حد رجم سے انکار کرنا اس امر کا اعلان ہے کہ انکار کرنے والے کے لئے

۱۔ فعل رسول کی کوئی اہمیت نہیں ۲۔ تعامل صحابہؓ کی کوئی حیثیت نہیں

۳۔ اجماع اُمت کی کوئی حقیقت نہیں۔

اور تینوں اُمور کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا شخص ایمان بالرسالت سے خالی ہے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ جو شخص رسولؐ کے عمل کو درخور اعتنا نہ سمجھے مسلمان قوم ایسے شخص کے قول کو گورنمنٹ کے علاوہ کوئی اور حیثیت دے۔

رسالت کے انکار کے ساتھ ایمان بالقرآن کا دعویٰ خود فریبی سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ قرآن کے اس حکم کا کیا بنے گا کہ ماکان لمومن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم" یعنی جب اللہ و رسولؐ ایک بات کا فیصلہ دے دیں تو مومن مرد ہو یا عورت کو یہ اختیار مطلق نہیں کہ اس فیصلہ کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کرے۔

جب یہ تاریخی حقیقت ہے کہ حد رجم نبی کریمؐ کا فیصلہ ہے تو اس کا انکار کر کے آخر قرآن کی اس آیت پر ایمان کیونکر ثابت کر سکتا ہے اور قرآن کی ایک آیت کا انکار سارے قرآن کا انکار ہے۔

بات یہاں ختم نہیں ہوتی قرآن تو اس سے بھی بڑی ایک اور شرط لگاتا ہے۔ فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

"یعنی مومن ہونے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ نبی کریمؐ کے فیصلے پر مارے باندھے عمل کر دے۔

بلکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ فیصلہ اپنی پسند یا مرضی کے خلاف ہو جب بھی دل کی گہرائیوں میں اس کے خلاف ناگواری کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔

لطف یہ ہے کہ یہاں دل کی ناگواری چھوڑ کر حضورؐ کے فیصلے کو خلافِ اسلام بھی قرار دیا جاتا ہے اور صرف مسلمان نہیں بلکہ مفسرِ قرآن ہونے کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے بلکہ یہاں تک جرأت کر دی جاتی ہے گویا قرآن کو نہ تو رسولؐ نے سمجھا نہ اس کے شاگردوں نے، نہ ۱۴ صدیوں میں کسی عالم نے بلکہ قرآن کو سمجھا تو انگریز کے دفتر کے ایک کلرک نے سمجھا۔ مگر حقیقت وہی ہے جو ایک عارف کہہ گیا کہ ؎ لاکھ چھپائیں وہ مذہبی باتیں ؛ فرق ہے شیخی و کلرکی میں۔

پھر اس کے بعد قرآن کی ایک اور آیت کا کیا جواب ہوگا کہ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہٖ ما تولیٰ ونصلہٖ جہنم وساءت مصیرا۔

یعنی رسولؐ کی مخالفت اور اجماع امت سے ہٹ کر الگ راستہ اختیار کرنے والے اس انعام کے مستحق ہیں کہ انہیں یہاں کھلی چھٹی دی جائے اور یہاں سے رخصت ہونے کے بعد جہنم میں پہنچا دیا جائے۔

فعلِ رسولؐ اور فیصلہ رسولؐ سے روگردانی کرنے والے بلکہ اسے قرآن کے خلاف قرار دینے والے کم از کم ان تین آیات قرآنی میں اپنی شبیہ دیکھ کر اپنے ایمان بالقرآن کا طول و عرض ناپ لیں ؎

نہ قرآں پیشِ خود آئینہ آویز ؛ دگرگوں گشتۂ از خویش بگریز

قرآن کریم میں جا بجا اطیعوا اللہ کے ساتھ اطیعوا الرسول کو اسی طرح لازم قرار دیا جس طرح اطیعوا اللہ کو۔ بلکہ ایک مقام پر یہاں تک فرما دیا گیا کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔"

اگر اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد بس ایک اللہ کی ہی اطاعت لی جائے تو پھر دونوں اطاعتوں کا الگ الگ بیان کرنے کا مقصد کیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے صرف کتاب ہدایت نہیں بھیجی بلکہ ساتھ ہی ہادی رسول بھیجا۔ جس کے ذمے کام یہ لگایا کہ:-

۱۔ اللہ کی کتاب کی آیات ٹھیک اسی صورت میں لوگوں کو پہنچا دیں جس صورت میں وہ نازل ہوئیں۔

۲۔ انسانوں کو ظاہری اور باطنی نجاستوں اور آلائشوں سے پاک کریں۔

۳۔ ماننے والوں کو کتاب کے صحیح مفہوم کی تعلیم دیں۔ اور کتاب کے مفہوم کے ساتھ۔ حکمت کی تعلیم دیں۔

اس تفصیل سے صاف ظاہر ہے کہ رسول کا کام صرف اتنا نہیں کہ اللہ کی کتاب کے الفاظ لوگوں تک پہنچا کر بے نیاز ہو جائیں بلکہ رسول کی ڈیوٹی یہ بھی ہے کہ کتاب کے مفہوم اور اس کی عملی تعبیر اور کتاب کے مضامین کی تبیین بھی کریں۔ اگر تعلیم کتاب سے مراد صرف اتنی ہو کہ الفاظ قرآن کے لغوی معنی لوگوں کو بتا دیں تو یہ تحصیل حاصل ہے کیونکہ قرآن کے مخاطبین اولین سب اہل زبان تھے

اس لئے قرآن کی تعلیم اور تبیین کا مطلب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم نے کوئی حکم مجمل طور پر بیان فرمایا تو اس کی تشریح و تفصیل اللہ کا رسول اسی وحی کے مطابق لوگوں تک پہنچائے جو قرآن کے الفاظ میں نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ رسول پر پہنچی۔ قرآن میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً ایک حکم اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ بار بار قرآن میں آیا صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا لغوی مفہوم تو اہل زبان سامعین کو بتانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مگر ان کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم اس کی عملی صورت۔ بتانا رسول کے ذمہ رہا۔ صلوٰۃ شرعی کی تفصیلات اور کیفیات وحی کے ذریعے نبی کریم کو بتلائی گئیں اور آپ نے امت کو پہنچائیں اور یوں پہنچائیں کہ صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ یعنی صرف بتایا نہیں بلکہ خود کر کے دکھایا۔

اسی طرح زکوٰۃ کی تفصیلات کہ مختلف چیزوں کے نصاب، اور ہر نصاب پر زکوٰۃ کی مقدار کا تعین پھر یہ بات کہ کس مال پر زکوٰۃ ہے اور کس بات پر نہیں سب باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے مطابق امت کو پہنچائیں یہ تمام تفصیلات اور اسی قبیل کے دیگر احکام الٰہی کی تفصیلات قرآن میں موجود نہیں اس لئے اس بات کا احتمال تھا کہ کوئی بے خود غلط آدمی یہ نہ کہنے پائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام نہیں کیونکہ قرآن میں نہیں اس لئے ان کی تعمیل ضروری نہیں لہٰذا علیم وخبیر اللہ تعالیٰ نے سارے قرآن میں بار بار اطیعو اللہ کے ساتھ اطیعو الرسول کو لازم قرار دیا۔

انسانی دماغ کے بنائے ہوئے قانون میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ یہ قانون بالعموم ظالم کو تحفظ دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ میں جرائم کی فصل خوب پھیلتی پھولتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو دانشور بنیادی طور پر طبعاً جرائم پیشہ ہوتے ہیں ان کی سوچ کی معراج بھی یہی ہوتی ہے کہ جرم کی سزا میں اس امر کا خیال رکھا جائے کہ مجرم کو زیادہ سے زیادہ تحفظ مل سکے اور مجرمانہ ذہنیت کے لئے کھلی فضا میسر آسکے۔

اس کے مقابلے میں اللہ کے قانون کی خاصیت یہ ہے کہ جرم کی سزا میں یہ امر ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ مجرم کو ایسی سزا دی دی جائے جو دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو اور جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ شکنی ہو تاکہ معاشرہ میں امن وسکون کی فضا پیدا ہو سکے۔

جاہل مسلمانوں کے علاوہ منافقین اور دشمنان اسلام کے لئے بھی یہ بہانہ ہو سکتا تھا کہ دوسروں کو بہکانے کے لئے کہہ دیں کہ بس اللہ کی اطاعت ہی مقصود ہے اور وہ یہی احکام ہیں جو قرآن کے الفاظ میں مذکور ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرائض رسالت میں تعلیم وتبیین کتاب کو بھی شامل فرما دیا اور تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا اضافہ کر کے گویا تاکید فرما دی کہ کتاب کے علاوہ جو کچھ حضور کی تعلیمات میں داخل ہے وہ بھی اسی طرح واجب الاتباع ہے بلکہ یہاں تک اعلان کر دیا کہ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔ یہ سب پیش بندیاں اسی لئے کی گئیں کہ کوئی بزرجمہر یہ نہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف ان احکام کے مکلف ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں۔ اور جو احکام قرآن کے الفاظ میں نہ ملیں وہ اسلام سے خارج ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر غالباً یہ منکشف ہو گیا تھا کہ کسی وقت ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو اپنے لئے

(باقی ص ۴۴ پر)

مولانا محمد عاشق الٰہی

خواتینِ اسلام سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

حدیث: وعن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ ان ام سلمی رضی اللہ تعالٰی عنہا استاذنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الحجامة فامر ابا طیبة ان یحجمها قال حسبت انہ کان اخاها من الرضاعة او غلاماً لم یحتلم۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سینگی لگوانے کی اجازت طلب کی لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طیبہؓ کو حکم دیا کہ ام سلمہؓ کو سینگی لگا دیں یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ ابو طیبہؓ سے جو سینگی لگوائی تو میرے خیال میں اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت ام سلمہؓ کے دودھ شریک بھائی تھے یا نابالغ لڑکے تھے (مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

تشریح:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاج کے سلسلے میں بھی پردے کا خیال رکھنا ضروری ہے اگر معالج کے سامنے بے پردہ ہو کر آ جانے میں کچھ حرج نہ ہوتا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ کیوں کہنا پڑتا کہ ابو طیبہؓ حضرت ام سلمہؓ کے دودھ شریک بھائی یا نابالغ لڑکے تھے۔ ہمارے زمانے کے لوگوں کا عجیب حال ہے کہ جن خاندانوں اور گھروں میں پردہ کا اہتمام ہے علاج کے سلسلے میں ان کے ہاں بھی پردے کا خیال چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاج کے لئے محرم کو تلاش کرنا چاہیئے اگر کوئی معالج نہ ملے تو غیر محرم سے بھی علاج کرا سکتے ہیں لیکن اس میں شریعت کے ایک اہم اصول "الضرورة تتقدر بقدر الضرورة" کا خیال رکھنا لازم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مجبوراً جتنے بدن کا دیکھنا ضروری ہو معالج بس اسی قدر دیکھ سکتا ہے۔ مثلاً علاج کے لئے نبض دیکھنے اور حال کہنے سے کام چل سکتا ہے تو اس سے زیادہ دیکھنے یا ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر بازو میں یا پاؤں میں زخم ہے تو جتنی جگہ بدرجہ مجبوری دیکھنے کی ضرورت ہو بس اسی قدر معالج دیکھ سکتا ہے۔ اگر علاج کی مجبوری کے لئے

آنکھ، ناک، دانت دیکھنا ہے تو اس صورت میں بھی پورا چہرہ کھولنا جائز نہیں جس قدر دیکھنے سے کام چل سکتا ہے بس اسی قدر دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ ایسے معالج کے لئے بھی یہی تفصیل ہے جو عورت کا محرم ہو۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ محرم کے لئے بھی اپنی محرم عورت کا پورا بدن دیکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ عورت کو اپنے محرم کے سامنے پیٹ اور پیٹھ اور ران کھولنا منع ہے۔ پس اگر پیٹ میں یا پیٹھ میں زخم ہو تو حکیم ڈاکٹر خواہ محرم ہو یا نامحرم صرف زخم کی جگہ دیکھ سکتا ہے اس سے زیادہ دکھانا گناہ ہے جس کی صورت یہ ہے کہ پرانا کپڑا پہن کر زخم کے اوپر کا حصہ کاٹ دیا جائے تاکہ پیٹ کے بقیہ حصہ پر اس کی نظر نہ پڑے اور چونکہ عورت کو ناف سے لے کر گھٹنے تک کسی عورت کے سامنے بھی کھولنا ناجائز ہے اس لئے اگر لیڈی ڈاکٹر کو مثلاً ران یا سرین کا پھوڑا وغیرہ دکھانا مقصود ہو تو اس صورت میں بھی کپڑا کاٹ کر صرف پھوڑے کی جگہ دکھائی جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ضرورت کے لئے حکیم ڈاکٹر کو جو جگہ دکھائی جائے تو حاضرین میں جو عزیز واقارب موجود ہوں ان کو اس جگہ کے دیکھنے کی اجازت نہیں ہے ہاں اگر حاضرین میں سے کوئی شخص ایسا ہے جسے شرعاً اس جگہ کا دیکھنا جائز ہے تو وہ اس پابندی سے خارج ہے۔ مثلاً اگر پنڈلی میں زخم ہے اور وہ ڈاکٹر یا جراح کو دکھانا ہے اور عورت کا باپ یا حقیقی بھائی بھی وہاں موجود ہے اس نے اگر دیکھ لیا تو گناہ نہ ہوگا۔ کیونکہ پنڈلی کا کھولنا محرم کے سامنے درست ہے۔

فائدہ:۔ یہ تفصیل جو ابھی ابھی ذکر کی گئی ہے مرد کے معالج کے سلسلے میں بھی ہے کیونکہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد کا مرد سے بھی پردہ ہے۔ اگر ران یا سرین کا زخم کسی ڈاکٹر کو دکھانا ہے یا کولہے میں کسی مجبوری سے انجکشن لگوانا ہے تو صرف ڈاکٹر بقدر ضرورت دیکھ سکتا ہے دوسرے لوگوں کو دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ:۔ زنانہ حمل وغیرہ میں اگر دائی سے پیٹ ملوانا ہو تو ناف سے نیچے کا بدن کھولنا درست نہیں ہے چادر وغیرہ ڈال لینی چاہیے بلاضرورت دائی کو بھی دکھانا جائز نہیں۔ یہ دستور ہے کہ پیٹ ملتے وقت دائی بھی دیکھتی ہے اور دوسری گھر کی عورتیں ماں بہنیں وغیرہ بھی دیکھتی ہیں یہ جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ بچہ پیدا ہونے کے وقت دائی اور نرس کو صرف بقدر ضرورت پیدائش کی جگہ دیکھنا جائز ہے اس سے زیادہ دیکھنا منع ہے اور آس پاس جو عورتیں موجود ہوں اگرچہ ماں بہنیں ہی ہوں ان کو بھی دیکھنا منع ہے۔ کیونکہ بلا ضرورت ہے لہٰذا ان کو نظر ڈالنے کی اجازت نہیں اور جو دستور ہے کہ عورت کو ننگا کر کے ڈال دیتے ہیں اور سب عورتیں دیکھتی رہتی ہیں۔ یہ بالکل حرام ہے۔

مسئلہ:۔ اگر غیر مسلم دائی یا نرس بچہ پیدا کرانے کے لئے بلائی جائے تو اس کے سامنے سر کھولنا حرام

ہوگا۔ کیونکہ کافر عورت کے سامنے مسلمان عورت صرف منہ اور پہونچوں تک اور
اور ٹخنوں سے نیچے دونوں پیر کھول سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بال کا کھولنا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ غیر
عورتیں مثلاً بھنگن، دھوبن، مالن، نرس، لیڈی ڈاکٹر وغیرہ جو بھی ہوں ان سب کے متعلق یہی حکم ہے
بعض جدید تعلیم یافتہ لوگوں میں یہ رواج ہے کہ بجائے دائیوں کے مرد ڈاکٹروں سے بچے جنواتے ہیں
جبکہ ہم جنس کو ستر کی طرف بھی بلا ضرورت نظر ڈالنا جائز نہیں تو غیر جنس کو کیسے جائز ہو سکتا ہے اور غیر جنس
میں بھی بُعد ہوتا جائے گا۔ مسلمان عورت کی ہم جنس قریب مسلمان عورت ہے اول بوقتِ ضرورت اس کو اختیار
کیا جائے گا اس کے بعد کافر عورت ہے جو اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔
اس بعد ڈاکٹر کی اگر ضرورت آپڑے تو مسلمان ڈاکٹر کو اختیار کیا جائے۔ اس کے بعد کافر کی طرف رجوع کیا
جائے نہ یہ کہ اولاً ہی کافر مرد کی طرف پہنچائیں۔ یہ سخت بے حیائی گناہ اور تقلید بیجا ہے اور ضرورت اس کی
تسلیم نہیں ہے کیونکہ جب تک یہ رواج شروع نہ ہوا تھا تب بھی برابر بچے ہوتے تھے اور اب بھی جن خاندانوں
میں غیرت اور حمیت ہے ان میں برابر بچے ہوتے ہیں اور دائیاں پردے کے ساتھ سب کام کرتی ہیں۔
تنبیہ:۔ بعض عورتیں منہار سے چوڑیاں پہنتی ہیں جس کی وجہ سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا پڑتا
ہے یہ بڑی بے ہودہ بات ہے چونکہ ایسا کرنے کی کوئی مجبوری نہیں ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں
حدیث:۔ وعن عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتی
باب قوم لم یستقبل الباب من تلقاء وجہہ ولکن من رکنہ الایمن او الایسر
فیقول السلام علیکم وذلک ان الدور لم یکن یومئذ علیہا ستور۔ (رواہ ابوداؤد)
ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی
خاندان کے دروازے پر پہنچتے اور اندر تشریف لے جانے کی اجازت چاہتے یا کسی کو بلاتے) تو جب تک
سے باہر کھڑا رہنا ہوتا تو دروازے کے داہنی طرف یا بائیں طرف کھڑے ہو کر السلام علیکم فرماتے تھے اور
اس کی یہ تھی کہ اس زمانہ میں دروازوں پر پردے نہ تھے۔ (مشکوٰۃ شریف)
تشریح:۔ اس حدیث سے اجازت طلب کرنے کا ایک اہم قاعدہ معلوم ہوا اور وہ یہ کہ جب دروازے
باہر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہتی ہو تو دروازہ چھوڑ کر دائیں طرف یا بائیں طرف کھڑا ہونا چاہئے
تاکہ کواڑ کھل جانے سے یا کواڑوں کے سوراخوں سے نظر اندر نہ پہنچے۔ حدیث کے آخر میں فرمایا کہ اس
زمانہ میں دروازوں پر پردے نہ تھے۔ یعنی پہلے صرف کواڑوں یا دیواروں کی آڑ کو کافی سمجھا جاتا تھا اس کے
بعد دروازوں پر پردوں کا اہتمام کر لیا گیا ایک آڑ کواڑ کی اور ایک آڑ پردے کی ہوتی تھی۔ یہ چیز ہمارے

لئے اقتدار کرنے کی ہے، دروازے پر پردہ ہونے کا نفع یہ ہوتا ہے کہ بھول سے یا بچوں کی نادانی سے کواڑ کھلا رہ جائے تو پردہ کی آڑ باقی رہے۔ آج کل اہل یورپ کی طرز پر کوٹھیاں بنانے کا رواج پڑ گیا ہے جن لوگوں کے پاس کچھ روپے ہو جاتے ہیں پرانی طرز کا پردہ دار مکان بنا کر رہنے کو عیب سمجھتے ہیں اہل یورپ کو پردہ اور شرم و حیا سے کیا تعلق بلڈنگیں اور کوٹھیاں ایسے طرز پر بنائی جاتی ہیں جن میں عورت کو چھپا کر رہنے کا ذرا بھی اہتمام نہیں ہوتا صحن کی جگہ پارک نما کشادہ ہوتی ہے اور دیواریں چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں پارک میں پڑی ہوئی بنچوں پر لڑکے لڑکیاں بلا حجاب سر کھولے اور بغیر آستین کے فراک پہنے بیٹھی رہتی ہیں۔ گذرنے والے ان کو دیکھتے چلے جاتے ہیں اس کی نقل ہمارے ملک کے مالدار طبقہ نے شروع کر دی ہے اللہ تعالےٰ ان کو کچھ سمجھ دے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نصیب فرمائے یہاں یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ جب کسی کے گھر میں جانے کے لئے اجازت طلب کرتے وقت داخلہ کی اجازت سے قبل اندر نظر ڈالنے کی ممانعت ہے تو جسے نہ اندر جانا ہے نہ کسی کو اندر سے بلانا ہے اس کے لئے کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ راہ چلتے ہوئے گھروں میں نظریں ڈالتا ہوا چلے؟

حدیث : (عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما قال کان الفضل ردیف النبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فجاءت امرأة من خثعم فجعل الفضل ینظر الیها و تنظر الیه فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصرف وجه الفضل الی الشق الآخر فقالت ان فریضة الله ادرکت أبی شیخا کبیراً لا یثبت علی الراحلة أفاحج عنه؟ قال نعم وذلک فی حجة الوداع (رواه البخاری)

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ سے منیٰ کو واپس ہوتے ہوئے فضل بن عباسؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اس اثنا میں قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت مسئلہ معلوم کرنے کے لئے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی فضل بن عباسؓ اس عورت کو دیکھنے لگے اور وہ عورت ان کو دیکھنے لگی (چونکہ بدنظری مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے سخت منع ہے اور حج جیسی عبادت کے موقع پر گناہ کا ارتکاب اور زیادہ سنگین ہے اس لئے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباسؓ کا چہرہ پکڑ کر دوسری طرف پھیر دیا۔ جس سے دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے سے محفوظ ہو گئے اس کے بعد اس عورت نے رسول اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ بلاشبہ اللہ کا فریضہ یعنی حج میرے بوڑھے باپ کے ذمے لازم ہو گیا ہے اور وہ اس قدر بوڑھے اور ضعیف ہیں کہ سواری پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے ہیں تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر لوں حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں (اپنے باپ کی طرف سے حج کر لو) (بخاری شریف ۲۰۵)

تشریح:- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر حج میں مردوں اور عورتوں کو بدنظری سے بچنے کا خاص اہتمام کرنا لازم ہے مسند احمد میں یہ حدیث اس طرح نقل کی گئی ہے کہ حج کے موقع پر عرفہ کے دن ایک نوجوان شخص آنحضرت صلی اللہ کے ساتھ آپ

کی سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ وہ نوجوان عورتوں پر نظریں ڈالنے لگا تو حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے برادر زادے بلاشبہ یہ وہ دن ہے کہ جو شخص آج، اپنے کانوں اور آنکھوں کو اور اپنی زبان کو قابو میں رکھے گا (یعنی ان اعضاء کو گناہوں سے بچائے گا) اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دے گا۔ (الترغیب والترہیب)

حدیث:۔ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان الرکبان یمرون بنا و نحن محرمات مع رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبابہا من رأسہا فاذا جاوزونا کشفناہ

(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ (سفر حج) میں ہمارے قریب سے حاجی لوگ گذرتے تھے اور ہم رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھیں (چونکہ احرام میں عورت کو منہ پر کپڑا لگانا منع ہے اس لئے ہمارے چہرے کھلے ہوئے تھے اور چونکہ پردہ کرنا حج میں بھی لازم ہے) اس لئے جب حاجی لوگ ہمارے برابر سے گذرتے تو ہم بڑی سی چادر کو سر سے گرا کر چہرے کے سامنے لٹکا لیتے اور جب حاجی لوگ آگے بڑھ جاتے تو ہم لوگ چہرہ کھول لیتے تھے (ابوداؤد شریف صفحہ ۲۵۵)

تشریح:۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سفر حج میں پردے کا اہتمام کرنا لازم ہے عورت جب حج کا احرام باندھے تو احرام کھولنے تک چہرے پر کپڑا لگانا منع ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چہرہ کھولے ہوئے حاجیوں کے سامنے پھرتی رہیں۔ ایسی صورت اختیار کرنا ضروری ہے کہ چہرے پر کپڑا بھی نہ لگے اور نامحرموں سے پردہ بھی ہو جائے۔ جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سفر حج کا واقعہ بیان فرمایا جو حدیث بالا میں مذکور ہے اس واقعہ سے بھی ان مغرب زدہ مجتہدین کے قول کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ چہرہ کھولنا نامحرموں کے سامنے جائز ہے۔ اسی لئے نقاب والا برقعہ اپنی عورتوں کو نہیں اڑھاتے۔ اگر نامحرموں سے چہرہ چھپانا لازم نہ ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابی عورتیں حاجی لوگوں سے چہرہ چھپانے کا کیوں اہتمام کرتیں؟

— تنبیہ —

آج کل حاجی لوگ آپس میں عرفاتی بھائی بہن بن جاتے ہیں اور حاجی محض عرفاتی بھائی بہن کہلانے لگتے ہیں اور جب بھائی بہن بن گئے تو پورے سفر حج میں اجنبی نامحرم حاجیوں کے سامنے بلا تکلف بے پردہ آتی جاتی اور اٹھتی بیٹھتی ہیں، یہ جہالت ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ بے پردگی سفر حج میں بھی ممنوع ہے۔ اور اس کے بعد بھی ممنوع ہے، نامحرم بہر حال نامحرم ہے، چاہے صوفی ہو یا پیر جی ہوں، چاہے نمازی ہو یا حاجی ہوں۔

خوب سمجھ لو!

حافظ عبد الرزاق
ایم - اے اسلامیات

جشنِ نزولِ قرآن

یہ وسیع کائنات کیونکر وجود میں آگئی، یہ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان پر مشتمل ہر ئی مخلوق کیسے ظہور میں آئی — یہ کوئی فعل عبث ہے، کوئی حادثہ ہے یا اتفاقِ محض؟ دل کے اندر جھانکو عقلِ سلیم سے پوچھو، یہ نظامِ شمسی اور اس کا باہمی جذب و انجذاب یہ نظم اور باقاعدگی، یہ حسن اور دلفریبی یہ تنوع اور ہم آہنگی کہ لا الشمس ينبغى لها ان تدرك القمر ولا الليل سابق النهار۔ كلٌ فى فلك يسبحون "نہ سورج سے یہ ہو سکے کہ چاند کو جا پکڑے نہ رات آگے بڑھے دن سے ہر ایک ایک چکر میں تیر رہا ہے" یہ نہ تو محض تفریح کا سامان ہو سکتا ہے نہ کسی اتفاق یا حادثہ کی صورت نظر آتی ہے پھر کیوں نہیں کہہ دیتے کہ یہ کسی علیم و حکیم ہستی کی پیدا کردہ ہے۔ اور اس کی پیدائش کا کوئی مقصد ضرور ہے سنو! وما خلقنا السماء والارض وما بينهما باطلا "ہم نے اس ساری کائنات کو یونہی عبث پیدا نہیں کیا۔ بلکہ انا كل شيئ خلقناه بقدر "ہم نے ہر چیز ایک مقررہ انداز کے مطابق پیدا کی۔"

خالقِ کائنات نے بس اس کی تخلیق ہی پر اکتفا نہیں کیا کہ اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا کوئی انتظام نہ کیا ہو یا اس کی بقا کے لئے کوئی اصول نہ بنایا ہو۔ تم ایک موٹر بناتے ہو اس سے کام لینے کے لئے زمین کا سینہ چیر کر ہزاروں فٹ کی گہرائی سے تیل نکالتے ہو کہ اسے خوراک مل سکے اور جس مقصد کے لئے یہ بنائی گئی ہے اسے پورا کر سکے۔ ایک معمولی سی مشین کو بنانے اور اس سے کام لینے کے لئے اتنا اہتمام تو کیا خالق نے اس کائنات کی مشینری سے وہ کام لینے کے لئے جس کے لئے یہ بنائی گئی کوئی انتظام نہیں کیا؟ عقلِ سلیم اسے تسلیم نہیں کرتی۔ اس نے کائنات کی ہر نوع کا مقصد متعین کیا پھر ہر نوع کی ضرورتوں کو پورا کیا اور اس کا سامان بھی کر دیا۔ وہ خالق بھی ہے، رزاق بھی اور رب بھی ہے بلکہ رب العالمین ہے۔

اس پوری کائنات میں انسان اس کی تخلیق کا شاہکار بھی ہے اور کرۂ ارض پر اس کا نائب بھی ہے۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے اس مٹی کے پتلے میں روح پھونکی جسم و جان کا رشتہ قائم کیا۔ پھر ان دونوں متضاد اجزاء کے بقا کا انتظام کیا۔ حضرت انسان کی جسمانی ضرورتوں پر نگاہ دوڑاؤ پھر خالق کا وہ وسیع انتظام دیکھو کہ کس طرح اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ایک باقاعدہ نظام بنا دیا۔ ہوا میں تیرتے ہوئے بادلوں سے مینہ برساتا ہے۔ زمین پر

روئیدگی کی خاصیت رکھ دی۔ سورج کو حدت اور روشنی کا خزانہ عطا کر دیا کہ زمین سے اناج اور پھل پیدا ہوں تمازت آفتاب ان فصلوں کو پکائے۔ کبھی سوچا بھی ہے کہ

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون؟

تمہیں تو اس سوال کے علاوہ کئی سوالوں پر سوچنے کی دعوت دی گئی ہے۔ افرایتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون الخ

ترجمہ

جسم کی پرورش کا انتظام دیکھو، اشیائے ضرورت کی بہم رسانی میں تناسب دیکھو۔ ہوا جس کے بغیر انسان کیا کوئی ذی روح چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتا اس فراوانی سے پیدا کی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بالکل مفت، دستیاب نہ کنٹرول نہ راشن بندی۔ اس کی نسبت ذرا کم ضروری چیز پانی ہے۔ خالق کے محکمہ آب رسانی کا جائزہ لو، اوپر سے بادل پانی برسا رہے ہیں نیچے سے زمین سے چشمے ابل رہے ہیں۔ اس سے آگے غذا ہے۔ اس کے انتظام کا نظارہ لہلہاتے کھیتوں کی صورت میں تم ہر روز کرتے ہو پھر ثانوی ضرورتوں بلکہ تعیشات کے لئے زمین کے اندر معدنیات کے خزانے رکھ دیئے۔

بلکہ انسان کیا اس گوشت پوست اور ہڈیوں کے ڈھانچے کا نام ہے؟ نہیں جسم بے روح کو جتنا جلد ممکن ہو آنکھوں سے اوجھل کر کے زیر زمین دفن کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے انسان کی قدر و قیمت کا اصل جوہر تو روح ہے۔ تو کیا کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ خالق نے اس انسان بلکہ اصل انسان کی ضرورتوں کو نظر انداز کر دیا ہوگا؟ نہیں ہرگز نہیں اس نے تو ابو البشر کو کرۂ ارض پر اپنا نائب مقرر کرتے وقت پہلے روز یہ تسلی دی تھی یقین دلایا تھا کہ روح کی بالیدگی اور اس کی حقیقی بقا کا سامان میری طرف سے مناسب وقفوں کے بعد آتا رہے گا اس کی قدر کرنے یا ناقدری کرنے میں ہی تیری اولاد کا امتحان ہے (فاما یاتینکم منی ھدی فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقی)

تاریخ شاہد ہے کہ اس کا پورا پورا اہتمام ہوتا رہا۔ ہر قوم ہر ملک اور ہر دور میں ایسے ہادی آتے رہے اور ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق انہیں خالق کی طرف سے روح کی غذا ملتی رہی آخر وہ وقت آ گیا جب انسانیت سن بلوغ کو پہنچ گئی۔ اور وقت کا تقاضا ہوا کہ ایک جامع اور ابدی ہدایت نامہ ایک محسن انسانیت کے ذریعے حضرت انسان کو دے دیا جائے اور اس کی ایسی حفاظت کی جائے کہ اس کا کوئی حرف تو کیا ایک شوشہ بھی تبدیل نہ ہونے پائے۔

چنانچہ رب العالمین نے یہ مکمل ہدایت نامہ رحمۃ للعالمین کے ہاتھ انسانیت کے نام اس اعلان کے ساتھ بھیج دیا کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے یاد دہانی کا یہ سامان ہم نے نازل کیا اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی ہم لیتے ہیں۔ غرض اصل انسان کی بقا، استحکام، ارتقا اور معراج تک پہنچنے کا سامان۔ وہ ضابطۂ حیات ۔۔۔ وہ قرآن حکیم کے نام سے انسان کو عطا ہوا۔ تو یوں لگتا ہے جیسے جسم اور روح کی دنیا میں ایک ہی جیسا اصول کار فرما ہے۔ عرش اعظم کی بلندیوں سے نبی اکرم کے قلب اطہر کی پاکیزہ زمین پر نزول قرآن ہونے لگا

ہدایت کے چشمے پھوٹ نکلے۔ للہیت، اخلاق عالیہ، تقویٰ اور خشیت کی فصل لہلہانے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کھیتی پورے جوبن پر آکر پھل دینے لگی، دکھی انسانیت نے سکھ کا سانس لیا پژمردہ انسانیت کے چہرے پر شگفتگی آگئی شیطنیت اور درندگی کی قوتیں دب کر رہ گئیں۔

غار حرا کی پر سکون اور روح پرور تنہائیوں میں محسن انسانیت کے قلب اطہر پر باران رحمت کا نزول شروع ہوا۔ پہلی ہوا جو پڑی آواز آئی اقرأ باسم ربك الذی خلق الخ یعنی انسانیت کی معراج پر پہنچنے کے لئے پہلی سیڑھی اپنے خالق اور رب سے شناسائی پیدا کرنا ہے۔ پھر علم الانسان مالم یعلم کے الفاظ سے یہ ہدایت دی کہ ہم نے انسان پر بوجھ نہیں ڈالا کہ زندگی کی راہ خود ڈھونڈے یا تجویز کرے بلکہ یہ کام ہمارے ذمہ ہے۔

اس حسین اور دلکش آغاز کے بعد کچھ وقفہ ہوا پھر یہ سلسلہ جاری ہوا اور نزول قرآن کی تکمیل کم و بیش تئیس برس میں ہوئی، نادان کہتے ہیں ایک ہی بار کیوں نہ سارے کا سارا قرآن نازل ہو گیا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ موسم کے مطابق مناسب وقت پر ضرورت کے مطابق بارش برستی ہے تاکہ مردہ زمین پھر سے زندہ ہو اور پانی کے حیات بخش مادہ کو جذب کر سکے تاکہ غلہ اور میوے پیدا ہو سکیں۔ اگر ایسا ہو کہ کسی وقت ایک ہی بار مسلسل دھار بارش برسے، سیلاب آئیں زمین میں پانی جذب کرنے صلاحیت ہی نہ رہے۔ پھر روئیدگی کہاں اور فصل کیسے۔ بہر حال یہ سلسلہ جاری رہا آخر وہ وقت آگیا کہ شاہی اعلان ہو گیا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ قرآن کی آواز انسانیت کے کانوں میں پہنچی، دل میں اتری اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں صحیح رخ پر حرکت پیدا ہوئی اور قدم بڑھنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے اس کتاب کی تعلیمات کے مطابق ایسا معاشرہ تیار ہو گیا جس کا ہر فرد زندہ کتاب دکھائی دینے لگا چنانچہ معلم کتاب نے اعلان کر دیا کہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم یعنی میرے تمام شاگرد ستاروں کی مانند ہیں تم جس کا دامن تھام لوگے تمہیں منزل مقصود پر پہنچا دے گا سلیم طبائع نے آزما کر دیکھ لیا کہ قرآن کا یہ دعویٰ ایک حقیقت کا پتہ بتلا رہا ہے کہ ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان فی ذلك لذکری لمن کان له قلب او القی السمع و هو شهید
دل کی دنیا میں انقلاب آگیا ذہن بدل گئے پسند و ناپسند کا معیار بدل گیا۔ اخلاقی اقدار بدل گئیں اور انسانیت ہر پہلو سے ہر شعبہ زندگی میں انقلابی منازل کی طرف بڑھنے لگی

قرآن کی اس انقلابی خاصیت کا اعتراف صرف اپنوں ہی نے نہیں بلکہ غیروں نے بھی کیا۔ دوستوں نے ہی نہیں دشمنوں نے بھی کیا۔ کیونکہ یہ ہوتا آیا ہے کہ حقیقت خود کو منوا لیتی ہے۔ یقین نہ آئے تو اغیار کے ایک تازہ ترین اعتراف پر غور کر لو۔ قرآن کے متعلق امریکہ کا ایک سائکلو پیڈیا لکھتا ہے:-

Its message raised the moral & cultural level of its followers, Promoted Social order and unity

inculcated hygiene, lessened cruelty & superstitions, bettered the condition of slaves, lifted the lowly to dignity and pride and produced among its conformers a degree of sobriety & temperance unequalled elsewhere in the white-man's world

(Story of civilization)

سفید فام مخلوق کی ہر غیر انسانی ادا پر مرمٹنے والو! مغرب سے درآمد ہونے والے ہر غیر شریفانہ نظریے کو وحی آسمانی کے مقابلے میں ترجیح دینے والو سفید دنیا کے اعتراف حقیقت کا مطالعہ کرو، سفید فام دنیا کا اعتراف شکست دیکھو تم ان کی ہر بے حیائی کو اپنانے کی خاطر جان کھپاتے ہو اور اسے تہذیب کا نام دیتے ہو انہوں نے انسانیت کا سبق تم سے سیکھا تھا۔ مگر تم ہو کر اپنے قیمتی سرمائے سے تم نے آنکھیں موند لیں اور ان سے حیوانیت اور شہوانیت، عریانی اور بے حیائی کی کھیپ درآمد کرتے چلے جا رہے ہو۔ یہ تو ان کا فاقی شرح ہے جو کچھ انہوں نے قرآن سے لیا تھا تم ان سے وہ دولت لینے کے لئے مطلق تیار نہیں؟

هل انتم منتهون۔

تم کہتے ہو ہمیں تہذیب سیکھنی ہے تو مغرب سے سیاست کا سبق لینا ہے تو ان سے، علوم و فنون کا درس لینا ہے تو ان سے اور صرف کہتے ہی نہیں ہو بلکہ اس پر اصرار بھی کرتے ہو اور ان گندے جراثیم کو پھیلانے میں تن من دھن لگا دیتے ہو حتیٰ کہ کسی اہل نظر کو تمہاری اس کج بینی پر افسوس سے کہنا پڑا کہ ؎

شیر بیدار از فسون بیش خفت
انحطاط خویش را تہذیب گفت

اپنی ہی نہ کہتے جاؤ، ان کی بھی سنو جن سے تم خواہ مخواہ ذہنی طور پر مرعوب ہو چکے ہو۔

Thanks to the teachings of the Quran, the Arabs became the first people in history to be fully awake of the life & death of civilization ([illegible])

غیروں کی سن چکے اب ذرا اپنوں کی بھی سنو۔ اپنوں سے تم الرجک ہو کیونکہ وہ نیرو مائنڈڈ (Narrow minded) ملا ہوتے ہیں مگر نہیں ایک براڈ مائنڈڈ مسٹر کی بات سنو قرآن کے متعلق کیا کہہ گیا ؎

اندرو تقدیر ہائے غرب و شرق
سرعت اندیشہ پیدا کن چو برق

پھر الہام کے رنگ میں کیا حقیقت بیان کر دی کہ ؎

ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

چیزے دیگر است کی تصریح بھلا تم کیا کروگے ایک اور مسرت بخش بھی سنو؎

دُرفشانی نے تیری قطروں کو دریا کردیا
دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

مگر آج وہی کتاب موجود اس پر ایمان کا دعویٰ کرنے والے لاکھوں نہیں کروڑوں ہیں مگر یہ مسیحا نفس زبان حال سے کہہ رہے ہیں

؎ مژدہ باد اے مرگ عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

دیکھو! بارش برستی ہے خشکی پر بھی تری پر بھی، پہاڑوں پر بھی اور میدانوں میں بھی بارش ایک ہے مگر اثر مختلف ہوتے ہیں۔ پتھر پر بارش برسی، پانی کے قطرات پھسل کر نیچے گر گئے پتھر خشک کا خشک رہ گیا۔ میدان میں بارش برسی ایک دم تازگی آگئی سبزہ پھوٹا فصلیں اُگ گئیں، درخت ہرے بھرے ہو گئے پھول کھلنے لگے پھل آنے لگے اسی طرح قرآن کی روحانی بارش ساری انسانیت کے لیے ہوئی مگر ایک طرف تو فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ کا سماں نظر آیا۔ دوسری طرف والبلد الطیب یخرج نباته باذن ربه کا منظر سامنے آگیا۔ ایک طرف ابوجہل اور ابولہب نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ابوبکرؓ و عمر فاروقؓ دکھائی دیتے ہیں۔ بارش ایک اثر مختلف۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ جہاں عمدہ فصل اُگی وہاں پولی پیازی جھاڑ جھنکار بھی سر اُٹھانے لگے۔ قرآن کی بارش سے ایمان و ایقان، اخلاص و التقویٰ کی فصل لہلہانے لگی مگر اس کے اندر ہی نفاق کے جھاڑ جھنکار بھی اُبھرنے لگے ادھر عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر جیسے پیکر اخلاص و ایمان موجود ہیں تو ادھر عبداللہ بن ابی اینڈ کمپنی کے جھاڑ جھنکار بھی دکھائی دیتے ہیں ایسی صورت میں کسان یہی تو کرتا ہے کہ پولی پیازی کو اکھاڑ پھینکتا ہے کہ فصل کی ترقی نہ رُکے، قرآن نے اس فصل ایمان و ایقان کے رکھوالے کو یہی سبق دیا یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم۔ یہ تزکیہ و تطہیر کی مہم جب آگے بڑھی تو نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نا کہ واورثکم ارضھم ودیارھم واموالھم وارضا لم تطئوھا

ہاں تو بارش کے قطرے جب سمندر میں گرتے ہیں تو یوں بھی ہوتا ہے کہ یہی پانی کے قطرے موتی بن جایا کرتے ہیں۔ سمندر کی آغوش میں مسلسل تربیت ملنے کا نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ قرآن کی بارش کے قطروں نے ایسے ایسے گوہر ہائے آبدار کی صورت اختیار کی کہ ان کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی ہر موتی کا رنگ جدا، شان جدا، خاصیت جدا۔ کوئی حکمران بن رہا ہے مگر ایسا حکمران کہ چشم فلک نے اس کی مثال نہ دیکھی کوئی جرنیل بن رہا ہے، کوئی مقنن کوئی جج، کوئی مدرس، کوئی عالم کوئی صوفی، کوئی تاجر کوئی صنعت کار۔ کوئی کہاں تک شمار کرے۔ قرآن نے تو ایسے موتیوں کے عظیم ذخیرے جمع کر دیے۔

اتنی بڑی نعمت غیر مترقبہ کے ملنے کے جشن کیوں نہ منایا جائے مگر دیکھنا کہیں اس ریشم کے کپڑے سے پر ٹاٹ کے پیوند لگانے کی حماقت نہ کرنا قرآن پہنچانے والے نے اس کا سلیقہ خود سکھایا ہے سنو!

۱۔ اس کتاب کی تلاوت کیا کرو۔ مگر کیسے ورتل القرآن ترتیلا ایسے کہ جیسا اس کا حق ہے یتلونه حق تلاوته پورے ادب اور خشوع سے پڑھو۔ یہ خیال کرو کہ

رب العالمین سے ہم کلام ہو اتنی مقدار میں پڑھو کہ رغبت اور شوق قائم رہے۔

۲۔ قرآن سنو۔ مگر تفریح، شغل اور دفع الوقتی کے طور پر نہیں بلکہ کلام ربانی کی عظمت اور اپنی عاجزی کا خیال رکھتے ہوئے سنو، خاموشی سے سنو، غور سے سنو اور محبت سے سنو۔

۳۔ قرآن کو سمجھو۔ اس کتاب سے پوچھو کرنے کے کام کون کونسے ہیں اور نہ کرنے کے کون کونسے۔ مگر اس حقیقت کو نہ بھولنا کہ فہم قرآن کا معیار فہم رسول اور فہم شاگردانِ رسول ہے۔ لیکن دانشوری کے نشے میں الفاظ قرآن میں اپنی پسند کے معنی داخل کرنے کی حماقت نہ کرنا سے

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

۴۔ قرآن پر عمل کرو۔ پہلے تینوں امور ذرائع کی حیثیت رکھتے ہیں مقصود یہی آخری شق ہے۔ عمل بالقرآن میں بھی عمل کی صورت وہی معیار اور سٹینڈرڈ ہے جو قرآن لانے والے نے اختیار کیا یا اپنے شاگردوں کو سکھایا۔ قرآن پر عمل کرنے کے دعویٰ کے ساتھ اپنی پسند کے ڈیزائن تیار کرنے کی لعنت سے بچنا۔ کیونکہ عمل بالقرآن کے لئے مستقل اعلان ہو چکا ہے کہ

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اُسوۃ حسنۃ

اور۔

والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی اللّٰہ عنهم ورضوا عنه

اس سارے عمل میں اس تنبیہ کو سامنے رکھنا کہ رب قاریٔ یقرأ القرآن والقرآن یلعنه کہ قرآن پڑھنے والے کتنے ہی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کر رہا ہوتا ہے۔ جشنِ قرآن منانے کا حق تو ہے کہ قرآن کی اس سالگرہ کے موقع پر یہ سبق از بر ہو جائے کہ:۔

زقرآں پیش خود آئینہ آویز
دگرگوں گشتہ ازخویش بگریز

اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضی واجعل اٰخرتنا خیرا من الاولیٰ

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبه محمد واٰله واصحابه اجمعین ہ

حسین و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم

پروفیسر محمد غلام محلہ سعید خیل لکی مروت (بنوں)

مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا بوڑھا ہو یا جوان عالم ہو جاہل، متقی و پرہیزگار ہو رند مشرب غرضیکہ اُمت مسلمہ کے ہر فرد کے دل میں حرمِ پاک کے ساتھ وابستگی اور محبت ودیعت کی گئی ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ حرم پاک کے معمار نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل کر۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ اس کی پوری داستان ہی محبوب حقیقی کے ساتھ عشق و محبت، خلوص و وفاداری اور انقیاد و امتثال کے جذبہ سے آشنا ... یہ جذبہ آشنا پسند آیا کہ اُن کی پوری داستان کو زندہ و تابندہ ...تھا۔

آئیے آج ہم بھی اس حسین و سادہ مگر رنگیں داستان کا مختصر مطالعہ کر لیں۔ ہمارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خلیل اللہ کے لقب سے نوازا تو فرشتوں نے عرض کی کہ اے ربِ جلیل خلیل تو اس دوست کو کہتے ہیں جو اپنے دوست کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو۔ حرمِ پاک کے معمار حضرت ابراہیم خلیل کی پوری زندگی فرشتوں کے اسی سوال کا عملی جواب ہے انہوں نے اور ان کی آل و اولاد نے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق وہ کام کر گزرتے ہیں جو عقلاً محال ہو۔ ان کے دلوں میں عشق و محبت کے وہ طوفان اُمڈ آتے ہیں کہ عقل کے تنکے ان میں بہہ جاتے ہیں ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اللہ تعالیٰ کا یہ خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے محبوب کے حکم سے اپنی پیاری بیوی ہاجرہ اور چہیتے شیرخوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر حبرون سے روانہ ہوئے مکہ معظمہ پہنچ کر مقامِ زمزم میں قیام فرمایا۔ اس وقت یہ پورا علاقہ بالکل غیر آباد لق و دق صحرا تھا۔ سبزہ کا کہیں نام نہ تھا۔ کوسوں پانی کا کوئی نشان نہ تھا۔ اسی چٹیل میدان میں اللہ تعالیٰ کے اس عاشق صادق نے اپنے محبوب کے حکم سے پیاری بیوی اور معصوم بچے کو تھوڑے سے پانی اور کھجور کے ساتھ چھوڑ کر الوداع کہی اور انہیں اللہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت ہاجرہ کو معلوم ہوا کہ خلیل ہمیں اس بے آب و گیاہ میدان میں چھوڑ کر جا رہے ہیں تو وہ گھبرا کر ان کے پیچھے دوڑیں اور با آوازِ بلند کہا۔ من امرک ان

تتو کنا بوادٍ لیس فیھا ذرعٌ ولا ماءٌ" یعنی اے
میرے سرتاج تم کو یہ حکم کس نے دیا ہے کہ ہم کو بے آب و
گیاہ میدان میں چھوڑے جا رہے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ امر فی ربی
میرے پروردگار کا حکم ہے" یہ جواب سنکر حضرت ہاجرہ مطمئن
ہوئیں اور یقین کے ساتھ کہا کہ اذاً لن یضیعنا تب وہ
ہمیں ہرگز ضائع نہیں فرمائے گا۔

پانی اور کھجوروں کا وہ تھوڑا سا ذخیرہ جو حضرت ابراہیم
اُن کے پاس چھوڑ کر گئے تھے جلد ہی ختم ہو گیا تو
بی بی ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں ماں بیٹا پیاس
کے تڑپنے لگے۔ بی بی ہاجرہ پانی کی تلاش میں صفا کی پہاڑی
پر چڑھ گئیں تاکہ دیکھیں اگر کوئی قافلہ آ رہا ہو تو اس سے پانی
مانگ لیں یہاں سے اُتر کر مروہ کی طرف دوڑیں ہر چند ماں کی ممتا
اپنے بچے سے کبھی نگاہ ہٹانے کی اجازت نہ دیتی تھی
چنانچہ صفا سے مروہ جاتی ہوئی راستے میں کچھ نشیبی علاقہ تھا
وہاں سے بچہ نظر نہیں آتا تھا وہ فصل ہوتا تو دوڑ کر مروہ کی طرف چڑھنے
لگیں اس طرح بی بی ہاجرہ [illegible] پانی کی تلاش میں [illegible]
نے صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے اور آپ
کے پانی [illegible] بچے کے [illegible] تو دیکھا کہ حضرت
اسماعیل علیہ السلام [illegible] پانی [illegible]
طرف [illegible] حضرت اسماعیل علیہ السلام زمین پر پاؤں مار رہے
تھے [illegible]
مارنا [illegible] زمزم کا چشمہ جاری کیا جس سے
اب تک [illegible] پانی آب
پی [illegible] رہے [illegible]

بی بی ہاجرہ کی قربانی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام
کی معصوم اداؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آبِ زمزم کو
یہ شرف بخشا کہ دو دفعہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ
مبارک کو شقِ صدر کے موقع پر آبِ کوثر کی بجائے اسی پانی
سے دھویا گیا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ اپنے شیدائیوں
کو محبوبِ حقیقی نے کیسی کیسی آزمائشوں میں جکڑا اور پھر خود
انہیں ان آزمائشوں میں کامیابی عطا فرما کر اُن کی یادگار [illegible]
کو [illegible] بی بی ہاجرہ کو پانی کی تلاش میں خود ہی صفا اور مروہ
کے درمیان دوڑایا پھر خود ہی پانی کا چشمہ ظہور فرما کر قیامت
تک کے لئے ان کے نام سے یادگار بنا دیا اور چشمہ زمزم کو وہ شرف
بخشا جو آبِ کوثر کو بھی نصیب نہیں ہے

جو رکے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

بی بی ہاجرہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پندرہ سال
تک تربیت کرنے کے بعد دارِ فانی سے رخصت ہو گئیں اور
حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس دنیا میں ثابت قدمی کا
پہاڑ بنا کر چھوڑ گئیں۔

بی بی ہاجرہ کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام
کو اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ جا کر اپنے گھر کی تعمیر کا حکم دیا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لائے اور پھر اپنے لختِ جگر
چہیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ
خدا کی تعمیر شروع کی یہ بھی ایک عجیب اور دلکش سماں تھا
معمار بھی پیغمبر اور مزدور بھی پیغمبر۔ اللہ تعالیٰ کو یہ عمل
اتنی پسند آئی کہ قرآن پاک میں اس کا ذکر بطور یادگار کے

گویا ارشاد ہے۔ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمَاعِیْلُ ۔ یعنی وہ وقت (ربوبیہ دلکشی اور امتثالِ حکم محبوب کے) قابلِ یاد ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔ جس خلوص اور عاجزی سے انہوں نے تعمیر شروع کی اس کا یہ نتیجہ نکلا اللہ تعالیٰ نے ان کے بنائے ہوئے گھر کو اپنا گھر کہہ کر پکارا اور تاقیامت مرجع خلائق بنا دیا سچ ہے کہ خلوص کا درخت ضرور پھلتا پھولتا ہے چاہے دیر سے کیوں نہ ہو۔

خانہ کعبہ کی دیواریں جب قدِ آدم سے اونچی ہوئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زینے کی ضرورت پیش آئی اللہ تعالیٰ کو اپنے پیاروں کا امتحان لینا مقصود تھا۔ انہیں تکلیف میں ڈالنا تر تھا۔ چنانچہ جبل ابوقبیس کے ایک پتھر کو حکم دیا گیا کہ میرے خلیل کی تعمیر کعبہ میں مدد کرنا پتھر میں لچک پیدا ہوئی ضرورت کے مطابق وہ پتھر کبھی بلند ہو جاتا اور کبھی سکڑ کر پست ہو جاتا وہ پتھر جس سے خانہ کعبہ کی تعمیر میں مدد لی گئی قابلِ احترام بنا دیا گیا اللہ تعالیٰ نے اس کو خانہ کعبہ کے طواف کرنے والوں کے لئے جائے نماز بنا دیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی یعنی مقام ابراہیم کے پاس (نفل) نماز پڑھ لیا کرو۔

کیا شانِ کریمی ہے اس قرآن کریم کی کہ خود آزمائش میں ڈالا خود ہی آزمائش میں پورا اترنے کے لئے ضروری ذرائع و اسباب مہیا فرمائے اور کامیابی کی بشارت کے بعد ان کی کوشش کو قابلِ تحسین، خوشنودی کا ذریعہ دکھا دیتا ... ہاں جس بیچارے کی کوئی خدمت نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی

شیدائیوں نے رضائے محبوب کی خاطر قربانی ایک اور معیار قائم کرنا تھا۔ چنانچہ تعمیر بیت اللہ کے بعد حضرت ابراہیم کو ایک اور کٹھن امتحان کا سامنا ہوا انہیں حکم دیا گیا کہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کو میری رضا کی خاطر خود اپنے ہاتھوں قربان کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے اس سچے خلیل نے فوراً تعمیل حکم کی تیاری شروع کی۔ رسی، کلہاڑا اور چھرا لے کر حضرت اسمٰعیل کی معیت میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں انسان کے ازلی دشمن شیطان مردود نے باپ اور بیٹے کو دونوں کو امتثال حکم سے روکنے کی پوری کوشش کی۔ انسانی شکل میں ظاہر ہو کر بظاہر ہمدردانہ لہجہ میں انہیں طرح طرح کے چکمے دیئے لیکن بتوفیق الٰہی یہاں بھی وہ دونوں استقامت کے پہاڑ بن کر کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور شیطان کو مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا اس مردود کو دھتکارنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مناسب سمجھا کہ اپنے خواب کو اپنے بیٹے پر عیاں فرمائیں (یاد رکھئے کہ پیغمبروں کے خواب بھی وحی کا درجہ رکھتے ہیں) چنانچہ قرآن پاک میں باپ بیٹے کی اس گفتگو کا نہایت دلکش انداز میں ذکر کیا گیا ہے فرمایا یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (یعنی اے میرے پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں) تابع فرمان بیٹے نے فرمانبرداری کا ثبوت دیتے ہوئے عاجزانہ انداز میں عرض کیا یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (اے ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے کر گزریئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے) اس کے بعد جو دلدوز نظارہ پیش آیا وہ انسانی تاریخ میں

از افادات
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح

تسہیل طریق

سوال: آپ فرمایا کرتے ہیں کہ "اعمال مامور بہا (جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے) سب اختیاری ہیں اور اختیاری اُمور میں کوتاہی کا علاج بجز ہمت اور اختیار کے استعمال کرنے کے اور کچھ نہیں"۔ یہ تو بظاہر معمولی سی بات ہے پھر طریق میں اہمیت کیا رہی؟

جواب: ہے تو یہ معمولی اور موٹی سی بات لیکن لوگوں کو اس کی جانب التفات نہیں حالانکہ اسی پر دار و مدار ہے تمام اصلاحات کا اور یہی ہے اصل علاج تمام کوتاہیوں کا

سوال:- آدمی جب باوجود اپنی کوشش سے اصلاح سے عاجز ہو جاتا ہے تب ہی تو اس کی تدبیر او علاج پوچھتا ہے۔ تو اس سے پھر بھی یہی کہہ دینا کہ "ہمت اور اختیار سے کام لو"، کیونکر کافی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہمت اور اختیار کے استعمال کی توفیق ہی اسے نہیں ہوتی۔

جواب:- دیکھنا یہ ہے کہ اختیار کے استعمال پر قادر ہے یا نہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ قادر ہے ورنہ نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے۔ تو جب استعمال پر قادر ہے تو ہمت کر کے اختیار کا استعمال کرے۔ کامیابی لازم ہے البتہ دشواری اور کلفت ضرور ہے۔

سوال:- جب کلفت اور دشواری کی وجہ سے اختیار کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئے تو وہ اختیار مفید ہی کیونکر ہوا۔

جواب: اس کا علاج یہ ہے کہ باوجود کلفت اور دشواری کے ہمت اور اختیار سے بتکلف اور بجبر کام لیتا رہے رفتہ رفتہ وہ کلفت مبدل بسہولت ہو جائے گی ساری ریاضت اور سارے مجاہدے صرف اسی لئے کئے جاتے ہیں کہ اختیار (امر احکام کی تعمیل) اور اجتناب نواہی (برائی سے بچنے) میں سہولت پیدا ہو جائے میں تو کہتا ہوں خلوص اور ہمت دو چیزیں ماحصل ہیں سارے تصوف کا اگر ہمت نہ ہوگی تو عمل نہ ہوگا۔ اگر خلوص نہ ہوا تو عمل ناقص ہوگا شیخ بس ان ہی دو چیزوں کی تعلیم کرتا ہے۔

سوال:- کیا اخلاص بھی اختیاری ہے؟

جواب: جب مامور بہ ہے تو اختیاری ہے کیونکہ غیر اختیاری چیزوں کا شریعت نے مکلف ہی نہیں بنایا گیا گھی کا خالص رکھنا اختیاری نہیں اس میں چربی تیل نہ ملاؤ۔ گھی خالص رہے گا۔ عبادت کو خالص رکھنے کو بھی

اخلاص کہتے ہیں۔

سوال: شیخ کی دعا و برکت کو بھی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے۔

جواب: برکت کا انکار نہیں مگر اس کا درجہ بھی تو متعین کرنا چاہیئے۔ برکت کا دخل اعانت کا ہے۔ کفایت کا نہیں۔

سوال: اس کا تو مشاہدہ ہے کہ شیخ کی دعا اور توجہ کی برکت سے بہت کچھ تغیر اپنی حالت میں محسوس ہونے لگتا ہے۔

جواب: نری دعا و برکت سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اپنے اختیار کو کام میں نہ لائے۔ حضور اکرمؐ سے بڑھ کر تو نہ کوئی صاحب برکت ہو سکتا ہے نہ مقبول الدعا۔ حضورؐ نے دعا بھی دل وجان سے کی اور اصرار بھی فرمایا کہ آپ کے چچا ابوطالب مسلمان ہو جائیں۔ مگر چونکہ خود چچا نے نہ چاہا ایمان نصیب نہ ہوا۔ مریض اگر دوا نہ پیئے تو کیا محض طبیب کی توجہ اور شفقت سے مریض اچھا ہو جائے گا۔ بچہ اگر سبق یاد نہ کرے تو کیا محض استاد کی توجہ سے سبق یاد ہو جائے گا۔

سوال: شیخ کی برکت سے توفیق ہو جاتی ہے؟

جواب: برکت ممد ضرور ہے کافی نہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں محض برکت تو ہرگز کافی نہیں مگر یہ ہو سکتا ہے کہ محض ہمت اور استعمال اختیار کافی ہو جائے۔ اگر ایک شخص اپنی اصلاح خود کر سکے تو چشم ما روشن دل ما شاد خوشی کا مقام ہے کیونکہ ہمارا بوجھ ہلکا ہوا۔

سوال: آپ کا ارشاد کہیں اس کے خلاف تو نہ ہو جائے گا

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق
عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

جواب: خلاف کیوں ہو یہ تو ہماری مؤید ہے نشد آگاہ عشق فرمایا ہے۔ یعنی بلا شیخ کے آگاہ نہ ہو گا۔ علم کا درجہ حاصل نہ ہو گا۔ تو اس سے کسے انکار ہے کہ شیخ راہ بتائے گا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ گھسیٹ کر لے چلے گا۔ راستہ بتانا بلاشبہ شیخ کا کام لیکن راستے کا قطع کرنا تو سالک کے ذمے ہے بہرحال انسان میں صفت اختیار کا ہونا قطعی ہے۔ لہٰذا اپنی اصلاح کرنے میں اس صفت اختیار کا استعمال ضروری ہے

سوال: بعض بزرگوں کی توجہ سے بڑے بڑے بدکاروں کی اصلاح ہو گئی ہے؟

جواب: یہ ایک قسم کا تصرف ہے اور ایسا تصرف نہ اختیاری ہے نہ بزرگی کے لیے لازم۔ بہت سے بزرگوں میں تصرف بالکل نہیں ہوتا پھر یہ بھی ہے کہ تصرف کے اثر کو اکثر بقا بھی نہیں ہوتی۔ کچھ دن بعد پھر ویسے کے ویسے بخلاف اس اثر کے جو ہمت اور اعمال کے واسطے سے ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے۔ توجہ کے اثر کی تو ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص تنور کے پاس بیٹھ گیا تو جب تک وہاں بیٹھا ہوا ہے تمام بدن گرم ہے مگر جیسے ہی وہاں سے ہٹا پھر ٹھنڈے کا ٹھنڈا اور اعمال کے ذریعے سے جو اثر ہوتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کسی نے کشتہ طلا کھا کھا کر اپنے اندر قوت غریزی پیدا کرلی تو وہ اگر شملہ پہاڑی پر بھی چلا جائے تب بھی وہ حرارت بدستور رہے گی۔ غرض نری دعا اور توجہ پر بیٹھے رہنا اور خود اپنی اصلاح نہ کرنا محض خیال خام ہے۔

معارف القرآن

عید اور تہوار

منانے کا اسلامی اصول

دُنیا میں ہر قوم اور ہر مذہب و ملت کے لوگ اپنے اپنے حالات اور خصوصیات کے ماتحت اپنے خاص خاص تاریخی واقعات کے دنوں کی یادگاریں مناتے ہیں اور ان ایام کو ان کے یہاں ایک عید یا تہوار کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

کہیں قوم کے بڑے آدمی کی پیدائش یا موت کا یا تخت نشینی کا دن منایا جاتا ہے اور کہیں کسی خاص ملک یا شہر کی فتح یا اور کسی عظیم تاریخی واقعہ کا۔ جس کا حاصل خاص اشخاص کی عزت افزائی کے سوا کچھ نہیں۔

اسلام، اشخاص پرستی کا قائل نہیں اس نے ان تمام رسوم جاہلیت اور شخصی یادگاروں کو چھوڑ کر اصول اور مقاصد کی یادگاریں قائم کرنے کے اصول کو اپنایا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ کو "خلیل اللہ" کا خطاب دیا گیا اور قرآن کریم میں ان کے امتحانات اور ان سب میں ان کی کامیابی کو سراہا گیا واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن کا یہی مفہوم ہے لیکن نہ ان کی پیدائش یا وفات کا دن منایا گیا نہ ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کی پیدائش و موت یا دوسرے حالات کی کوئی یادگار قائم کی گئی۔

ہاں ان کے اعمال میں جو چیزیں مقاصد دین سے متعلق تھیں ان کی یادگاروں کو نہ صرف محفوظ رکھا گیا بلکہ آنے والی نسلوں کے دین و مذہب کا جزو اور فرض و واجب قرار دیا گیا۔ قربانی، ختنہ، صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا منیٰ میں تین جگہ کنکریاں مارنا، یہ سب انہی بزرگوں کے ایسے افعال کی یادگاریں ہیں جو انہوں نے اپنے نفسانی جذبات اور انسان کے طبعی تقاضوں کو اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کے مقابلے میں کچلتے ہوئے ادا کئے تھے، اور جن میں ہر قرن اور ہر زمانہ کے لوگوں کو اس کا سبق ملتا ہے کہ انسان کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی محبوب سے محبوب چیز کو قربان کر دینا چاہیئے۔

اسی طرح اسلام میں کسی بڑے سے بڑے آدمی کی موت و حیات یا شخصی حالات کا کوئی دن منانے کی بجائے ان کے اعمال کی یادگار کے دن منائے گئے جو کسی خاص عبادت سے متعلق ہیں۔ جیسے شب برات، رمضان المبارک، شب قدر، یوم عرفہ، یوم عاشورہ وغیرہ۔ عیدین صرف دو رکھی گئی ہیں وہ بھی خالص دینی لحاظ سے۔ پہلی عید رمضان المبارک کے اختتام اور اشہر حج کے شروع ہونے پر

ی اور دوسری عید عبادت حج سے فراغت کے بعد رکھی
ی۔
ایک مرتبہ چند علمائے یہود حضرت فاروق اعظمؓ کی
ت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ تمہارے قرآن
یں ایک ایسی آیت ہے جو اگر یہود پر نازل ہوتی تو وہ اس
ے نزول کا ایک جشنِ عید مناتے۔ آپ نے پوچھا کونسی
یت انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ الیوم اکملت لکم
ینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام
یناً۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے ان کے جواب میں فرمایا
اں ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کس جگہ اور کس دن نازل
ہوئی۔ اشارہ اسی بات کی طرف تھا کہ وہ دن ہمارے
لئے دوہری عید کا دن تھا۔ ایک عرفہ دوسری جمعہ
فاروق اعظمؓ کے اس جواب نے بتادیا کہ یہود و
نصاریٰ کی طرح ہماری عیدیں تاریخی واقعات کے تابع
نہیں کہ جس تاریخ میں کوئی اہم واقعہ پیش آیا اس کو
عید منائیں۔ جیسا کہ قدیم جاہلیت کی رسم تھی اور آج
ل کی جاہلیت جدیدہ نے تو اسے بہت ہی پھیلا دیا
ہے یہاں تک کہ دوسری قوموں کی نقل کر کے مسلمان بھی
اس میں مبتلا ہونے لگے۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کے یوم پیدائش کو عید
بنادیا۔ ان کو دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کے یوم پیدائش کو عید میلاد النبیؐ بنادیا اور اس روز
بازاروں میں جلوس نکالنے اور اس میں طرح طرح کی
خرافات کو اور رات کو چراغاں کرنے کو عبادت سمجھنے لگے
جس کی کوئی اصل صحابہ، تابعین اور اسلاف امت
کے عمل میں نہیں ملتی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دن منانے کا طریقہ ان قوموں
میں تو چل سکتا ہے جو باکمال افراد ان کے حیرت انگیز کارناموں
کے لحاظ سے مفلس ہیں۔ دو چار شخصیتیں کل قوم میں اس قابل
ہوتی ہیں اور ان کے بھی کچھ مخصوص کام ایسے ہوتے ہیں
جن کی یادگار منانے کو لوگ قومی فخر سمجھتے ہیں۔

اسلام میں یہ دن منانے کی رسم چلے تو ایک لاکھ چوبیس
ہزار یا کم و بیش تو انبیاء علیہم السلام ہیں جن میں سے ہر ایک کی
نہ صرف پیدائش بلکہ ان کے حیرت انگیز کارناموں کی طویل
فہرست ہے جن کے دن منانے چاہئیں۔ انبیاء کے بعد امام الانبیاءؑ
اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو دیکھا جائے تو
آپ کی زندگی کا کوئی دن بھی ایسے کارناموں سے خالی نہیں
جن کا دن منانا چاہیئے بچپن سے لے کر جوانی تک کے وہ
کمالات جنہوں نے پورے عرب میں آپ کو امین کا لقب
دیا تھا کیا وہ ایسے نہیں کہ مسلمان ان کی یادگاریں منائیں
پھر نزول قرآن، ہجرت، غزوہ بدر، احد، خندق، فتح
مکہ، حنین اور تبوک بلکہ تمام غزوات نبویؐ میں ایک
بھی ایسا نہیں جس کی یادگار نہ منائی جائے اسی طرح حضورؐ
کے ہزاروں معجزات یادگار منانے کی چیزیں ہیں اور بصیرت
کے ساتھ دیکھا جائے تو حضورؐ کی حیات طیبہ کا ہر دن بلکہ
ہر گھنٹہ ایک یادگار منانے کا داعیہ رکھتا ہے۔

حضور اکرمؐ کے بعد تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرامؓ وہ
ہیں جن میں سے ہر ایک درحقیقت حضور اکرمؐ کا زندہ
معجزہ ہے کیا یہ بے انصافی نہیں ہوگی کہ ان کی یادگاریں
نہ منائی جائیں۔

باہر ہے۔ خود قرآنِ پاک اُن کی تعریف اس طرح مدح سرا ہے فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ یعنی جب اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زمین پر پیشانی کے بل لٹا کر اُن کے گلے پر چھری چلانے لگے تو آسمان کے فرشتوں سے یہ نظارہ نہ دیکھا جا سکا وہ بے ساختہ چلانے لگے کہ اے اللہ! واقعی ابراہیم تیرا خلیل ہے اللہ تعالےٰ نے چھری کو حکم دیا خبردار میرے عاشقِ صادق کے بیٹے اور میرے شیدائی کے بال کو بھی بیکا نہ کرنا۔ اللہ تعالےٰ کی جانب سے ارشاد ہوتا ہے۔

وناديناه ان يا ابراهيم قد صدقت الرؤيا انا كذلك نجزي المحسنين ۔

" اے ابراہیم تو نے اپنے خواب کو سچا کر کے دکھایا۔

یہ ہماری جانب سے ایک بہت ہی بڑا امتحان تھا اس امتحان میں تم کامیاب قرار دیئے گئے۔

اس کامیابی کی یادگار میں آج بھی اُمتِ مسلمہ دسویں ذی الحجہ کو جانور ذبح کر کے عید مناتے ہیں در حقیقت یہ اُن کے عرق انفعال کے موتی ہیں جو شانِ کریمی نے چن لیئے ہیں ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیئے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

☆

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

بقیہ رجم: لیبل تو مسلمان کا استعمال کریں گے مگر تعلیمات رسول ؐ سے جان چھڑانے کے لیئے یہ نعرہ لگائیں گے کہ ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے اس لیئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا الفين احدکم متكئاً على اريكته ياتيه الامر من امري مما امرت به او نهيت عنه فيقول لا ادري ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه

ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر و نہی کے متعلق یہ کہدے کہ ہم اسے نہیں جانتے۔ ہمارے لیئے تو کتاب اللہ کافی ہے۔ ہم تو جو کچھ اس میں پاتے ہیں اس کا اتباع کریں گے۔

خط کشیدہ الفاظ میں جدت پسند دانشوروں کی کیسی صحیح تصویر پیش کی گئی ہے۔

گو فکر خدا داد سے روشن ہے زمانہ ☆ آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

غزوۂ اُحد میں مشرکین کے تعاقب کے لئے جانے کا حکم نبی کریم ؐ نے دیا تھا قرآن میں یہ حکم کہیں موجود نہیں مگر جب صحابہ اطاعت شعاری کا ثبوت دیتے ہوئے ۷۰ مجاہدین کھڑے ہوئے تو اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کی اطاعت شعاری کی مدح فرماتے ہوئے جو الفاظ نازل فرمائے خاص طور پر قابلِ غور ہیں اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا الخ صاف ظاہر ہے کہ حکم تو رسول کریم ؐ نے دیا۔ اللہ نے حکم دیا ہوتا تو اللہ کی کتاب میں موجود ہوتا سو وہ موجود نہیں لہٰذا اس آیت نے ثابت کر دیا رسول اللہ جو حکم دیتے ہیں وہ اللہ کا حکم ہوتا ہے۔ خواہ وہ اللہ کی کتاب میں مذکور نہ ہو۔

ام ریحان

اللہ اکبر

اللہ اکبر کا مطلب ہے اللہ بڑا ہے۔ یہ جملہ ہم نے کئی دفعہ پڑھا لکھا اور زبان سے بھی ادا کیا ہے۔ واقعی اللہ بڑا ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کو ہدایت دینے کا سلسلہ قائم کیا۔ اس نے اتنی بڑی کائنات پیدا کی جس کی وسعتوں کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔ جتنی سائنس ترقی کرتی جا رہی ہے انکشافات کا سلسلہ بڑھتا ہی جا رہا ہے اللہ تعالےٰ نے بڑے بڑے سمندر پہاڑ درخت زمین آسمان چاند ستارے اور سورج اور انواع اقسام کے جانور پیدا کیے اس کے مقابلے میں اس نے اتنی چھوٹی چھوٹی چیزیں بنائی ہیں کہ ہم طاقتور خورد بینوں سے انہیں کئی ہزار گنا بڑا کر کے دیکھتے ہیں اور حیران رہ جاتے ہیں۔

ایسی بڑی سے بڑی اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کو دیکھ کر اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ واقعی بڑا ہے۔

کیا آپ نے کبھی اس پر غور کیا کہ ایسی چیزیں جو ہم دن رات بے دریغ استعمال کرتے ہیں جن کی اہمیت کا ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً غضب کی گرمی پڑ رہی ہے۔ مخلوق خدا کڑی دھوپ میں جھلس رہی ہے کیا کسی سائنسدان میں اتنی قدرت ہے کہ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا صرف ایک جھونکا ہی چلا دے کہ مخلوقِ خدا کو ایک سیکنڈ کے لئے قرار آ جائے۔ نہیں کسی میں یہ قدرت نہیں ہے تب ہمیں احساس ہوتا ہے کہ خدا کیا ہے ہم بار بار آسمان کی جانب دیکھتے ہیں اس سے دعا کرتے ہیں اور غفور الرحیم بندوں پر نظر التفات کرتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بادل امڈ امڈ کر چھا جاتے ہیں اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اس رفتار اور اتنی مقدار سے چلتی ہے کہ انسان حیوان چرند پرند درخت سب اللہ کے آگے اس لطف و عنایت کے لئے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

آپ سخت پیاس کی حالت میں ہیں آپ کی خواہش ہے کہ ایک قطرہ صرف ایک قطرہ پانی پیدا کر دے اس وقت ہمیں خدا کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔

خدانخواستہ آپ کا بچہ سخت بیمار ہے بڑے بڑے ڈاکٹر پاس کھڑے ہیں سب اپنی سی کوشش کر رہے ہیں کوئی ترکیب کارگر نہیں ہوتی حالانکہ آج میڈیکل سائنس نے اتنی ترقی کر لی ہے آپ خدا کے آگے گڑگڑائیں وہ رحیم و کریم ہے زندگی و موت اس کے ہاتھ ہے آپ کی التجا قبول ہوتی ہے بچہ مسکرا کے

آپ کی طرف دیکھتا ہے تب آپ بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں واقعی خدا عظیم ہے۔

ایسی ہی بے شمار چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن سے صبح سے شام تک واسطہ پڑتا رہتا ہے جب تک کسی نعمت سے محروم نہ ہوں۔ اس وقت تک اس کا احساس نہیں ہوتا۔

ہمیں چاہیئے کہ چھوٹی چھوٹی نعمت کی بھی قدر کریں اور بار بار اس عظیم خدا کی تسبیح کریں۔ دل سے زبان سے جو واقعی اس نعمت کا خالق ہے اور ہم بے بس و عاجز ہیں۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر

لہذا جو ہستی اس قدر تعریف کے لائق ہے اس کے کچھ حقوق بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ اس کی وحدانیت کو تسلیم کیا جائے۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اور مسلمان ہونے کے لئے بنیادی شرط یہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں شرک اتنا ہی بڑا گناہ ہے جو ناقابل معافی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو گناہ سے محفوظ رکھے آمین۔

اللہ تعالیٰ کا دوسرا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور عبادت بھی پورے خلوص سے اور اسے قادر مطلق سمجھ کر کی جائے اور عبادت کے جو طریقے اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں ان پر زیادہ سے زیادہ عمل کیا جائے۔ مثلاً نماز روزہ زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔

اس بات پر یقین رکھیں کہ بالآخر ہم سب کو ایک دن اس کے آگے حاضر ہونا ہے وہ مالک یوم الدین ہے اپنی ہر ضرورت کے لئے اللہ تعالیٰ سے رجوع کیجیے جو کہ بہت اچھا اور سب سے زیادہ عطا کرنے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خداوند ہے۔

"میرے بندو! تم میں سے ہر ایک گمراہ ہے سوائے اس کے جس کو میں ہدایت دوں پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو کہ میں تمہیں ہدایت دوں میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جس کو میں کھلاؤں پس تم مجھ ہی سے روزی مانگو کہ میں تمہیں روزی دوں میرے بندو! تم میں سے ہر ایک ننگا ہے سوائے اس کے جس کو میں پہناؤں پس تم مجھ ہی سے لباس مانگو کہ میں تمہیں پہناؤں میرے بندو! تم رات میں بھی گناہ کرتے ہو اور دن میں بھی اور میں سارے گناہ معاف کر سکتا ہوں پس تم مجھ سے مغفرت چاہو۔ تو میں تمہارے گناہ معاف کر دوں۔"

(صحیح مسلم)

الحاج شیخ محمد حبیب الرحمٰن
(ایس۔پی ریٹائرڈ)

لباسِ تقویٰ

موجودہ زمانے میں زیبائش اور آرائش میں ایسی بے اعتدالی برتی جا رہی ہے جس سے معاشرہ میں طرح طرح کے فتنے اور بے حیائیاں جنم لے رہی ہیں۔ ایک طرف مرد ہیں کہ نزاکت اور حسن جمال میں عورتوں سے بڑھ جانے کے خواہش مند ہیں اور دوسری طرف عورتیں ہیں جو پرکشش اور آراستہ ہو کر غیر مردوں کی توجہ اپنی طرف راغب کرنا چاہتی ہیں یہی اخلاق کی گراوٹ اور معاشرہ میں بگاڑ کا سنگین ترین سبب ہے۔

اسلام نے ابتداء ہی سے ان برائیوں اور بے حیائیوں کے سدِ باب کے لئے ایسے ضابطے اور اصول نافذ کئے جن پر اگر دیانتداری سے اور سختی سے عمل کیا جائے تو معاشرے کی بیشتر برائیاں بہت جلد دور ہو سکتی ہیں لہٰذا اس سلسلے میں قرآنِ کریم کے چند احکام کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

ا۔ شیطان اولادِ آدم کا ازلی دشمن ہے جو انسان پر چھپ کر حملے کرتا ہے جس کے باعث مدافعت کرنا سخت دشوار ہے ایسے دشمن کا علاج بس یہی ہے کہ ہم ایسی ہستی کی پناہ میں آ جائیں (یعنی خدائے تعالیٰ کی) جو اس کے تمام ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف ہے اور جو اس کے ہر قسم کے حملوں سے اپنے بندوں کو محفوظ رکھنے کی پوری قدرت بھی رکھتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بھی سب سے پہلے ابلیس لعین ہی سے ہوشیار رہنے کی ہدایت فرمائی ارشاد فرمایا:۔

"شیطان تمہیں فتنے میں نہ ڈال دے (جس طرح) اس نے تمہارے ماں باپ (حضرت آدم و حوا) کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس بھی ان سے اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں ان کے سامنے کھول دے" (الاعراف۔ ۲۷)

جب حضرت آدم و حوا برہنہ ہو گئے تو شرما کے اور پتوں سے اپنے بدن ڈھانپنے لگے جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کی فطری حیا اس کی مانع ہے کہ وہ ننگا رہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ستر پوشی کے لئے لباس نازل فرمایا۔

"اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو تمہاری ستر پوشی کرتا ہے اور موجب زینت بھی ہے" (سورۃ الاعراف ۲۶)

یعنی اسلام نے ہر مسلمان پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ اپنے جسم کے ان پوشیدہ اعضاء کو چھپائے جنہیں ایک مہذب انسان فطری طور پر کھولنے میں شرم محسوس کرتا ہے حتیٰ کہ خلوت میں بھی ستر چھپائے رکھنے کی تاکید فرمائی گئی ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آدمی اس سے شرمائے" (احمد و ابوداؤد)

۲۔ لباس کے دو مقاصد یعنی ستر پوشی اور زینت کو یہاں فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اہم بنیادی بات کی طرف توجہ دلائی ہے "اور تقویٰ کا لباس، یہ اس سے بڑھ کر ہے" (الاعراف ۲۶) یعنی لباس کے پہننے کا اصلی مقصد حصولِ تقویٰ ہے جو ہر حالت میں ضروری ہے اگر لباس سے یہ مقصد حاصل نہ ہو بلکہ بداخلاقی اور بے حیائی کو فروغ ہو تو یقیناً ایسے لباس اور زینت کے طریقوں کو بدل ڈالنا تقویٰ کا لازمی تقاضا ہے۔ پرہیزگاری کے لباس کے مفہوم میں ایمان، حیا، نیک خصلتیں اور نیک اعمال داخل ہیں کیونکہ یہی وہ لباس ہے جو زینت سے بھی افضل و بہتر ہے اس سے انسان کی باطنی کمزوریوں پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اسی باطنی لباس کو زینت تام کرنے کے لئے شرعاً مطلوب ہے اور یہی باطن کی زینت و آرائش کا ذریعہ ہے۔

۳۔ بدنظری سے بڑی بڑی فحش حرکات کا دروازہ کھلتا ہے۔ اس لئے بدکاری اور بے حیائی کے انسداد کے لئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی پھاٹک کو بند کرنے کا اہتمام فرمایا۔

"آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ تزکیہ کی بات ہے بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (النور ۳۰-۳۱)

اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادۃً اس طرف دیکھنا منع ہے کیونکہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا جس سے وہ معذور نہیں سمجھا جاتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے اور ارادۃً ناجائز امور کی طرف نہ دیکھے تو یقیناً یہ تزکیہ نفس کا باعث بنے گا اور اس کا دل پاکیزہ ہو کر ہر قسم کی آلودگی سے پاک صاف ہو جائے گا۔

اس حکم میں ایک نفیس نکتہ یہ بھی ہے کہ آنکھ کی چوری دلوں کا بھید اور نیتوں کے حال سے بھی اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ہر وقت خیال کریں کہ وہ دیکھ رہا ہے ورنہ وہ اپنے علم کے موافق سزا دے گا۔

۴۔ اس بدنگاہی سے بچنے کے بعد اگلا مرحلہ زینت کو اعتدال پر لانے کا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا

"اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں، مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہے اور اپنے دوپٹے سینوں پر ڈالے رکھیں" (النور-۳۱)

مفسرین نے زینت سے مراد زیور لیا ہے اور ان کے مواقع سے مراد ہاتھ، پنڈلی، بازو، گردن، سر، سینہ کان لیا ہے۔ یعنی ان سب مقامات کو سب سے چھپانا چاہئے باقی جسمانی اعضا کا چھپانا اور بھی زیادہ واجب ہے کہ عفت کا یہی تقاضا ہے خلاصہ یہ کہ سر سے پاؤں تک تمام جسم کو پوشیدہ رکھنے کا حکم ہے۔

عورت کے بدن کی خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں سینہ کا ابھار ہے۔ دورِ جاہلیت میں عورتیں اوڑھنی

سر پہ ڈال کر اس کے دونوں پلّے پشت پر لٹکا لیتی تھیں۔ اس طرح سینہ کھلا ہی رہ جاتا تھا۔ یہ گویا حسن کا اعلانیہ مظاہرہ تھا۔ لیکن قرآن کریم نے بتلا دیا کہ دوپٹے کو سر پر سے لا کر گریبان پہ ڈالنا چاہیئے تاکہ اس طرح کان، گردن، رخسار اور سینہ پوری طرح ڈھکا رہے۔

نیز یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ عورتوں کو کسی قسم کی خلقی یا کسی زینت کا اظہار بجز اپنے شوہر اور محارم کے کسی کے سامنے جائز نہیں ہے۔ البتہ جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں ایسے اعضاء ہیں جنھیں بہت سی دنیوی اور دینی ضرورتیں کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں لیکن نامحرم مردوں کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ آنکھیں لڑایا کریں اور ان کھلے اعضا کا نظارہ کریں اسی لئے مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اسی طرح عورتوں کو نامحرم مردوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر فتنہ کا خوف ہو جیسا کہ آج کل ہمارے معاشرے کا حال ہے تو ایسی حالت میں چہرہ اور ہاتھوں کو بھی پوشیدہ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ضروری ہے

۵۔ تزیب و زینت کے سلسلہ میں مزید تاکید یہ فرمائی گئی "اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے"۔ (النور۔ ۳۱)

یعنی اللہ تعالےٰ کو عورت کی عفت کی حفاظت کا اس قدر خیال ہے کہ عورتیں گھر کے اندر چلتے پھرتے میں بھی پاؤں اس قدر آہستہ رکھیں کہ اُن کے زیور کی جھنکار باہر نہ سنی جا سکے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالےٰ اس قوم کی دعا نہیں قبول کرتا جن کی عورتیں جھانجھنی پہنتی ہیں اس سے یہ بخوبی واضح ہے کہ جب زیور کی آواز دعا کی نامقبولیت کا سبب ہے تو عورتوں کا اپنی آواز نامحرم مردوں کو سنانا مثلاً گانا بجانا، گفتگو وغیرہ، اور عورتوں کا بے حیایانا اتراتے پھرنا اور اپنی زینت و آرائش کا اعلانیہ مظاہرہ کرنا کیسی سخت موجب غضب الٰہی ہوگی۔ پردہ کی طرف سے لاپرواہی اور غفلت یقیناً معاشرے کے بگاڑ اور تمام امت کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہے جس کا سدباب کرنا حکومت کا ہی نہیں بلکہ ہر مسلمان کا دینی اور اخلاقی فرض ہے[1]

☆

---

[1]: اس موضوع پر مفصل بحث ہمارے رسالے "پاکیزہ اسلامی لباس" میں ملاحظہ فرمائیں جو زیر طبع ہے۔

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل مشکل ہوگی۔

تصوف اور تعمیر سیرت

حافظ عبدالرزاق ایم، اے

مجلس ذکر:-

مراقبات ثلٰثہ کے بعد دوائر محبت آتے ہیں۔ دائرہ کا لفظ سنتے ہی ذہن مرکز کی طرف منتقل ہوتا ہے کیونکہ مرکز ہی سے دائرہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ دائرہ کا محیط خواہ کتنا طویل ہو لامحالہ مرکز کے گرد ہی گھومنا پڑتا ہے گویا مرکز اور دائرہ لازم وملزوم ہیں۔

دائرۂ محبت اول میں وظیفہ ہے۔

یُحِبُّهُم وَيُحِبُّونَهٗ۔

اس وظیفہ کے الفاظ کی ترتیب میں ایک نکتہ ہے۔ ایک طرف سے ابتدا ہو رہی ہے دوسری طرف سے ردّعمل۔ یعنی ابتدا ہی نہ ہو تو ردِّعمل کیونکر ہو۔ اس وظیفہ کا عمل ایک مثال سے سمجھئے اس نقشے پر غور کیجئے۔

یحبھم کا فاعل مرکز ہے۔ مرکز سے محبت کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ اور دائرے میں پھیل کر محیط کی طرف جاری ہیں دائرہ میں محیط تک مخلوق ہے جہاں سے یحبونہٗ کا ردّعمل ہوتا ہے خالق سے مخلوق کی طرف تو بلا امتیاز محبت کی روشنی پھیلتی ہے۔ مخلوق میں کوئی باغی ہو یا اطاعت شعار چھوٹا ہو یا بڑا۔ مرد ہو خواہ عورت گورا ہو یا کالا، خالق کی محبت کا اثر ہر ایک پر پہنچتا ہے پوچھو گے وہ کیسے خالق نے تمہیں پیدا کیا۔ تمہاری پرورش کے لئے ماں باپ کے دل میں تمہاری محبت رکھ دی ورنہ ایک انسان کے بچے کو پالنا محبت کے جذبے کے بغیر ممکن ہی نہیں پھر تمہاری زندگی کی ضروریات کائنات میں پھیلا دیں پھر اس کائنات سے اپنی ضروریات حاصل کرنے کی صلاحیت تمہارے اندر پیدا کی یہ اعضاء دیئے جن سے تم کارزار حیات میں اسلحہ کا کام لیتے ہو سوچو کیا یہ محبت کے کرشمے نہیں کیا انعامات واحسانات کی اس بارش میں کبھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس کھیت میں برسے اور کہاں سے بے برسے گزر جائے کھلی آنکھوں سے کوئی دیکھے تو کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یحبھم کا عمل بلا امتیاز ہوتا ہے۔ مگر اس بارش کی قسم کا ایک اور ابر بہاری بھی ہے اور وہ ہے ہدایت کی بارش اور وہ تو اس محبت کی واضح دلیل ہے وہ ابر بہاری ہر کھیتی پر برستا ہے مگر ہر طرف اس کا استقبال یکساں نہیں ہوتا۔ کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اس بدلی کی

پہلی جھلک دیکھ کر ہی اپنے برتن اُلٹے کر دیتے ہیں کر
بدلی برسے تو ایک قطرہ بھی ہمارے برتن میں نہ آنے
پائے۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ بدلی اُٹھی اور برتن لے کر
کھلے میدان میں آ گئے اور جب بدلی برسی تو لپک کے اس کا
ہر قطرہ سمیٹنے کی کوشش کرنے لگے، یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف
سے یحبہم کا ردِ عمل ویحبونہ
کی صورت میں ہونے لگا۔ بلکہ
ہم ضمیر کا اصل مرجع ہی
یہ لوگ ہوتے ہیں
جن کی طرف سے
ردِ عمل یحبونہ
کی صورت میں
ہونے لگا۔
یحبہم سے
ظاہر ہوتا ہے کہ ابتداء
ادھر سے ہوتی ہے یعنی وہ
بلاتے ہیں تو کوئی آتا ہے وہ بلائیں
نہیں تو کسے کون وہ پٹ کھولتے ہیں تو داخلہ ملتا ہے
وہ دروازہ ہی بند کر دیں تو کوئی داخل ہی کیسے ہو، وہ جذب
کریں تو کوئی کھچا چلا آئے۔ ادھر سے کشش نہ ہو تو ادھر
سے حرکت کیسے ہو مگر کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی بھاگ گیا
ہے اس پر کمندیں ڈالی جاتی ہیں اور کوئی پاس رہ
کر بھی محروم رہتا ہے۔ عمر کو بت خانہ سے کھینچ کر قدموں
میں لا بسایا اور عبداللہ بن ابی مسجد نبوی میں رہ کر محروم
رہا۔ مگر یہ کلیہ نہیں بلکہ اصول یہ ہے کہ اُدھر سے

بلاوا تو آتا ہے مگر اُدھر بڑھنے کے لئے ادھر سے ارادہ
بھی تو پیدا ہو اور قدم تو حرکت میں آئیں۔
یعنی یحبونہ کا ردِ عمل اس طبقے کی طرف سے ہوتا
ہے جو ہدایت کی بارش کا ہر قطرہ سمیٹنے کے لئے اپنے
قلب کے ظرف کا رُخ سیدھا کر کے عرصۂ حیات میں
آ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

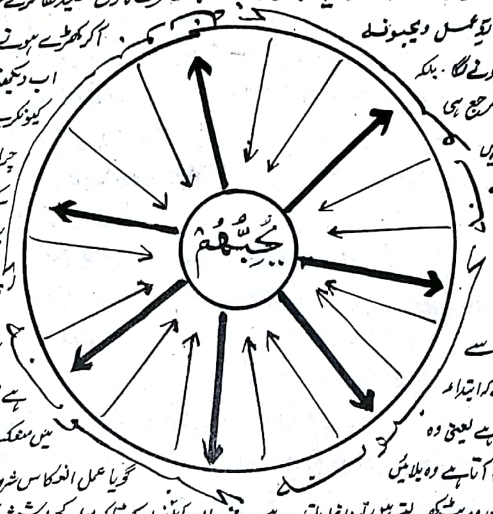

اب دیکھنا یہ ہے کہ عمل ہوتا
کیونکر ہے۔ دیکھو ایک...
چراغ روشن کرو اس
کے گرد کچھ فاصلے
پر چند آئینے رکھو
اب دیکھو روشنی کی کرنیں
چراغ سے نکلتی ہیں
آئینہ پر عکس پڑتا
ہے یعنی کرنیں آئینہ
میں منعکس ہو کر لوٹتی ہیں۔
گویا عمل انعکاس شروع ہے۔ لو اب
ان آئینوں کو ہٹا کر میلے کچیلے شیشے کے ٹکڑے یہاں
رکھو، دیکھو چراغ سے کرنیں تو اسی طرح پھوٹ رہی
ہیں مگر ان میلے ٹکڑوں کا یہ حال ہے کہ نہ شعاعوں
کو جذب کرتے ہیں نہ عمل انعکاس ہوتا ہے یہ کیوں؟
اس لئے کہ گویا وہ شیشے کے ٹکڑے ہیں اگر صاف
ہوتے تو کم از کم ان سے روشنی کی کرنیں پار تو ہو جاتیں
مگر یہ اس قدر میلے ہیں کہ یہ عمل بھی نہیں ہوتا اور اگر صیقل
ہوتے تو یہ کرنیں منعکس ہو کر ماحول کو اور زیادہ روشن کر دیتیں

بس اسی مثال سے سمجھو کہ سالک نے اب تک آئینہ قلب کے جلیہ میں کوشش صرف کی اپنے قلب کو اس قابل بنا لیا کہ اب اس میں محبت کی کرنیں پڑیں تو عمل انعکاس شروع ہو جائے اور محبت کی کرنیں سیدھی مرکز کی طرف دوڑتے نکلیں ہاں یہ خوب سمجھ لو کہ محبت کی کرنیں جب منعکس ہوتی ہیں تو ان کا عمل دو طرح کا ہوتا ہے۔ اصل میں تو لوٹ کر مرکز کی طرف جاتی ہیں۔ مگر دورانِ سفر ماحول کو بھی منور کرتی چلی جاتی ہیں۔ ان کا زاویہ انعکاس زاویہ وقوع سے اُلٹے رخ نہیں ہوتا اور نہ یہ مرکز گریز ہوتی ہیں سالک نے آئینہ قلب کو پہلے صیقل کر رکھا ہے جانتے ہو کس تدبیر سے [illegible] تدبیر وہی ہے جو اس عظیم صیقل گر نے بتائی جس نے ہزاروں دلوں کو خود صیقل کیا تھا اس نے بتایا کہ

لکل شیئ صقالۃ وصقالۃ القلوب ذکر اللہ

ہر چیز کے صیقل کرنے کی تدبیر مختلف ہوتی ہے مگر نبی خدا نے [illegible] دلوں کا صیقل اللہ کے ذکر سے ہوتا ہے تو سالک نے جب اپنے دل کو صیقل کر لیا تو اب اس کے قلب سے [illegible] کے جواب میں ایک گونج اٹھتی ہے [illegible] معلوم ہوا کہ [illegible] کے جواب میں [illegible] کی آواز اس وقت اٹھتی ہے جب آئینہ قلب کو صیقل کیا جا چکا ہو۔

پھر دیکھو مقناطیس کا ایک بہت بڑا ٹکڑا رکھو کے اس کے قریب لوہے کا ایک ایسا ٹکڑا رکھو جس پر زنگ کی تہیں جم چکی ہوں دیکھو کیا مقناطیس کی کشش اسے اپنی طرف کھینچتی ہے؟ ہرگز نہیں اب ذرا اسے ہٹا کر ایک صاف ستھرے فولاد کے ٹکڑے کو رکھو یا اسی ٹکڑے پر ریتی یا ریگمال سے رگڑائی کر کے اس کا زنگ دور کرو۔ جب بالکل صاف ہو جائے تو اسے مقناطیس کے قریب رکھو دیکھو کھچا چلا آ رہا ہے کیوں؟ اس لئے کہ گو ٹکڑا وہی ہے مگر زنگ دور ہو چکا اس لئے جذب و انجذاب کا عمل شروع ہو گیا۔

یہی حالت انسانی قلب کی ہے انسان جب اپنے خالق سے بغاوت کر بیٹھتا ہے تو اس کے قلب پر زنگ جم جاتا ہے اس کی خبر خود خالق نے دی کہ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔

یعنی ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کے قلوب پر زنگ کی تہیں جم گئیں جب ذکرِ الٰہی کی کثرت سے اور اس ریتی سے دل کو رگڑا جاتا ہے، تو زنگ دور ہو گیا۔ اب وہ دل اس قابل ہو گیا کہ جب حبیبِ اعظم کی مقناطیس اسے کشش کرے گی تو یحبھم و یحبونہ کہتا ہوا اس کی طرف دوڑنا شروع کر دیگا۔

فلاسفہ اجتماع والوں نے تعلق کے درجے متعین کئے ہیں جو کوئی ان کی ایجاد نہیں بلکہ مسلسل مشاہدات کا حاصل ہے۔ تعلق کے مدارج کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں میلان، رجحان، دلچسپی، محبت، عشق اور جنون یعنی تعلقات کے سلسلے میں دو قسم کے تجربے ہوتے ہیں، تعلقات کا بڑھنا یا گھٹنا اور ان دونوں کی وجوہات ہوتی ہیں اسی طرح سالک کو ابتداء میں بندے اور رب کے درمیان تعلقات کا احساس پیدا ہوتا ہے پھر اس کے اندر آگے بڑھنے کا خیال پیدا

ہوتا ہے یہ رجحان ہے پھر اس تعلق کے قائم کرنے کی تدبیروں اور اس کے متعلق باتیں کرنے اور سننے کا شوق پیدا ہوتا ہے پھر یہ شوق اسے کشاں کشاں بحرِ محبت میں غوطہ وری کے لئے لا کھڑا کرتا ہے زبانِ وحی میں یہی درجہ مطلوب ہے عشق اور جنون کا لفظ قرآن کریم میں غالباً کہیں نہیں آیا۔ ہاں حدیث نبویؐ میں یہ آیا ہے کہ

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون

مگر اس اسلوب میں بھی عجیب نکتہ ہے کہ :-

حتیٰ تکونوا مجنون نہیں فرمایا کہ یہاں تک کہ تم دیوانے ہو جاؤ بلکہ فرمایا کہ حتیٰ یقولوا مجنون - کہ کہنے والے تمہیں دیوانہ کہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے ہمیشہ محبت کو جنون ہی کہا ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر کسی اور فرزانگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بہر صورت سالک نے اپنے لطائف منور کئے۔ مراقبات ثلاثہ کئے یعنی میلان، رجحان اور دلچسپی کے مراحل سے گزرا اور چونکہ آگے بڑھ رہا ہے اس لئے لازماً محبت کی منزل آنی چاہیئے۔ مگر منزل پر پہنچنے سے پہلے محبت کے دائرے میں داخل ہوا اس لئے اس مقام پر سالک کو دائرہ محبت میں لا کر محبت کا سلیقہ سکھایا جاتا ہے ۔۔۔ سلیقہ محبت میں پہلی یہ بات سکھلائی جاتی ہے کہ محبوب کے انتخاب میں احتیاط اور عقلمندی سے کام لو تم جسے محبوب بنا لوگے کیا ضرور ہے کہ وہ بھی تم سے محبت کرے دوسری بات یہ ہے کہ مخلوق میں تم جسے بھی محبوب بناؤ گے وہ خود کسی نہ کسی پہلو سے محتاج ہو گا۔ تو کسی مطلب پرست کو محبوب بنانے میں کونسی دانشمندی ہے اس لئے تم محبوب بناؤ اسے جو تم سے محبت کرتا ہے۔ جو باقی ہے فانی نہیں جو بے نیاز ہے محتاج نہیں اس کو کوئی غرض تم سے وابستہ نہیں اس لئے ازل قدم پر یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ یحبھم وہ ایسا محبوب ہے کہ پہلے وہ تم سے محبت کرتا ہے۔

دوسرا سلیقہ یہ سکھایا جا رہا ہے کہ جب وہ محتاج بھی نہیں، فانی بھی نہیں اور محبت میں پہل کرتا ہے تو شکر گذاری کا تقاضہ یہ ہے کہ وفاداری کا یہ مطالبہ ہے نیاز مندی کا مقتضی یہ ہے کہ تم اسی سے محبت کرو لہذا کہلایا جاتا ہے ویحبونہ، ایسے محبوب کے ساتھ محبت کے جواب میں محبت کرنا بے دانشی بھی کم نصیبی بھی ہے بے وفائی بھی ہے اور اس میں ہلاکت بھی ہے۔

تیسرا سلیقہ یہ سکھلایا کہ پلٹ کر ذرا دائرہ محبت کو دیکھو محبوب کی طرف سے جب یحبھم کا عمل شروع ہوا تو چاہنے والے ایک تو محبوب سے دور تھے دوسرا ایک دوسرے سے بھی دور تھے۔ جوں جوں مرکز کی طرف بڑھنے لگے وہ نہ صرف محبوب کے قریب ہونے لگے بلکہ ایک دوسرے کے قریب بھی آنے لگے۔ گویا محبوب کی محبت میں ترقی کے ساتھ ساتھ مخلوق کا باہمی قرب بھی بڑھنے لگا۔ معلوم ہوا کہ حقیقی محبت جہاں ہو گی وہاں صرف قرب محبوب ہی حاصل نہ ہو گا بلکہ اس محبت کی خاصیت یہ ہے کہ چاہنے والوں میں بھی باہمی قرب بڑھنے لگتا ہے اگر یہ نہیں تو یا یہ محبت کچی ہے یا سرے سے محبت ہی نہیں بوالہوسی ہے کیونکہ حقیقی محبت رقابت کے جذبات پیدا ہی نہیں ہونے دیتی ہے

محبت چوں تمام افتد رقابت از میاں خیزد
بطوف شمع ای پروانہ با پروانہ می سازد

اس دائرہ کی تربیت کے دوران سالک کے لطیفہ نفس کے سامنے ایک نورانی دائرہ محسوس ہوتا ہے ان دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے خواہش کرنا نفس کی خاصیت ہے۔ ہر خواہش محبوب اور مرغوب تو ہوتی ہے مگر خواہش کا کوئی خاص امتیازی مرکز بن جائے تو انسانی کوششیں اسی کے گرد گھومتی ہیں۔ اس سبق میں سالک کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ نفس کو اپنی خاصیت سے محروم نہیں کر سکتے مگر اتنا کرو کہ اس کی خواہش کا مرکز "فانی" سے بدل کر "باقی" بن جائے۔ جب مرکز بنے گا تو محبت لازماً پیدا ہوگی اور "باقی" سے محبت پیدا ہو جانا ہی مقصود اصلی ہے۔

اس مراقبے کا مقتضیٰ کیا ہے؟ یہی کہ محبت اپنا اثر دکھائے محبت کی خاصیت یہ ہے کہ محبت کرنے والا محبوب کے تابع ہو جائے اور اس کا مشاہدہ تو فانی کی محبت میں بھی ہوتا ہے ہر شخص کی بات ٹالی جا سکتی ہے مگر محبوب کی بات کسی صورت میں بھی ٹھکرائی نہیں جا سکتی اور محبوب کو خوش کرنے کے لئے انسان، جان، مال، عزت و آبرو ہر چیز کی قربانی دے سکتا ہے اور دیتا رہتا ہے اس لئے اب سالک کی عملی زندگی پر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بات صرف اپنے ربّ کی اپنے محبوب کی مانتا ہے اس کے مقابلے میں کسی کی بات کی پروا نہیں کرتا۔ مگر یہ ماننا ضابطے کی کارروائی نہیں ہوتی بلکہ بات مانتا ہے اور محبت کے جذبے کے ساتھ تعمیل کرتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کی علامت محبت کا معیار یہی بتایا۔ ارشاد ہے۔

من احب سنتی فقد احبنی

یعنی جسے میرے طریقے پر چلنا پسند، جو میری بات دل سے مانتا ہے اسے واقعی میرے ساتھ محبت ہے بات ماننے نہیں، سنت کی پیروی کا جذبہ نہ ہو اور دعویٰ محبت کا کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ یہ محبت نہیں محبت کا بہروپ ہے، محبت کی ایکٹنگ ہے خود فریبی ہے۔

محبت اور اتباع یا اطاعت کا تعلق یوں سمجھئے کہ محبت سٹیم ہے اور یہ جسم انجن ہے اور اعضاء جسمانی اس انجن کے کل پرزے ہیں اس انجن کے چلنے کی تین صورتیں ہیں۔ اوّل سٹیم نہیں مگر انجن صحیح سالم ہے کل پرزے پہیئے، درست ہیں مگر چلے گا کیسے، ایک ہی طریقہ ہے کہ ٹھیلے کی طرح اسے دھکیلئے چلو دھیرے دھیرے چلتا رہے گا جب دھکیلنے سے تھک گئے انجن رک گیا محبت کے بغیر اعمال کی یہی صورت ہوتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سٹیم بھی ہے اور انجن کے کل پرزے بھی درست ہیں اب تو یہ انجن اڑا چلا جائے گا یہ محبت کی سٹیم اسے رکنے نہ دے گی۔

ان دونوں صورتوں میں اس امر کی ضرورت ہے کہ انجن پٹڑی پر چلے اگر پٹڑی سے اتر گیا تو دھکیلے سے چلے گا نہ سٹیم سے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ سٹیم ہوئی تو کھڑا کھڑا سیٹیاں بجاتا رہے گا۔ شوں شاں کرتا رہے گا جسے منزل پر پہنچنا ہو وہ بھلا ان سیٹیوں سے اور شوں شاں سے کب مطمئن ہو سکتا ہے تو اس راہ میں محبت سٹیم ہے اور پٹڑی اتباعِ سنت کی صراطِ مستقیم ہے اگر سنت پیشِ نظر نہیں تو بس سیٹیوں اور شوں شاں سے دل بہلاتے رہو، منزل پر نہیں پہنچ سکتے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ انجن صحیح سالم ہے مگر

پٹڑی ہے نہ سٹیم تو ظاہر ہے کہ اس کی حیثیت بس درشنی انجن کی ہے یہ میوزیم میں تو رکھا جا سکتا ہے مگر کسی کام نہیں آسکتا۔

سٹیم کے ہونے اور نہ ہونے میں ایک فرق ضرور ہے کہ اگر سٹیم نہیں تو دھکیلا جا رہا ہے اور پٹڑی سے اتر گیا ہے تو معمولی نقصان ہوگا اور اگر سٹیم سے اُڑا جا رہا ہے اور پٹڑی سے اُتر گیا ہے تو اس کے پُرزے ڈھونڈے نہیں ملیں گے۔

سالک کو اس خطرے سے آگاہ رہنا چاہیئے۔ کوشش یہ ہو کہ اتباعِ سنّت سے انحراف نہ ہو۔

دائرۂ محبت اوّل کے بعد دائرہ محبت دوم ہے یہ پہلے دائرے سے بڑا ہے اس کا وظیفہ بھی یہی ہے یحبھم و یحبونہ یعنی محبت الہٰی میں ترقی ہو رہی ہے اس کی وسعت بڑھ رہی ہے۔ قربِ الہٰی میں اضافہ ہو رہا ہے

پھر دائرہ محبت سوم ہے یہ دائرہ پہلے دونوں دائروں سے بڑا ہے۔ گویا محبت کی وسعت لامحدود ہوتی جا رہی ہے اس کا وظیفہ بھی یہی ہے یحبھم و یحبونہ' یعنی بات حُب سے اشد حبا للّٰہ کی طرف بڑھ رہی ہے۔

کام کرنے اور محبت سے کام کرنے میں فرق ہے کام خواہ کیسا ہو محنت چاہتا ہے مجاہدہ کا مطالبہ کرتا ہے اور مجاہدہ نفس کو شاق گزرتا ہے نفس تو لذت اور سہل انگاری کا رسیا ہے۔ وہ محنت سے بھاگتا ہے مجاہدہ کا نام نہیں لیتا اسے شراب محبت پلادو۔ اسے محبت کا انجکشن دو جب محبت کا نشہ اس پر سوار ہو جائے گا۔ تو اسے مجاہدہ شاق نہیں گزرے گا۔ اس کے سامنے پہاڑ بھی مٹی کا ایک ڈھیر بن جاتے ہیں۔ میدانوں کی وسعتیں سمٹ جاتی ہیں طوفانوں کے رُخ مڑ جاتے ہیں۔ اس لئے سالک کو محبت الہٰی کے نشے سے سرشار کیا جاتا ہے تاکہ اس کا نفس اپنے محبوب کی بات سُننے اور ماننے کے لئے بےتاب ہو جائے۔

اللہ تعالےٰ کا تعلق اپنے بندوں سے ضابطے کا نہیں بلکہ محبت کا ہے قرآن حکیم کا مطالعہ کرو تمہیں محسوس ہوگا کہ ایک حکم ہے ایک بات ہے مگر بار بار نئے اسلوب نئے طرز ادا اور نئے انداز سے کہی گئی ہے ایک بات بار بار سمجھانا اور اس کو سمجھانا جس کے فائدے کی ہے اور اس کا سمجھانا جس کا کچھ سنورتا بگڑتا نہیں محبت نہیں تو اور کیا ہے یہ تعلق ضابطے کا ہوتا تو ایک بار حکم دینا کافی تھا۔

پھر بندہ بات نہ مانے تو مہلت ملتی ہے موقع دیا جاتا ہے قانون امہال کا اطلاق ہونے لگتا ہے اگر تعلق ضابطے کا ہوتا ہے تو یوں کہ ادھر نافرمانی ہوئی اُدھر دھر لئے گئے جب ادھر سے یہ سلوک ہے تو اُدھر سے بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے بندے کا تعلق اللہ سے محبت کا ہو ضابطے کا نہ ہو۔

اللہ سے محبت پیدا ہونے کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق سے خیر خواہی کا جذبہ ابھرنے لگتا ہے اور یہی جذبہ کمال دین ہے بلکہ اصل دین ہے۔ جیسا کہ نبی کریمؐ نے فرمایا الدین النصیحۃ دین نام ہی مخلوق کی خیر خواہی کا ہے جب اللہ سے معاملہ کھرا ہوگا۔ اللہ کے رسول سے معاملہ یقیناً کھرا ہوگا اور اس کھرے پن سے اللہ کے بندوں کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں دعوت الی اللہ دی جائے۔ انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے کی فکر کی جائے۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ کی محبت جب دل میں گھر کر جاتی ہے تو محبوب کی مخالفت کی بات سننا ایسا منظر دیکھنا گوارا نہیں ہوتا۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وقد نزّل علیکم فی الکتٰب ان اذا سمعتم آیات اللہ یکفر بہا ویستھزأ بہا فلا تقعدوا معھم حتیٰ یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم

یعنی جب تمہیں ایسے لوگوں سے پالا پڑے، جو احکام الٰہی کا انکار کر رہے ہیں ان کا مذاق اڑا رہے ہیں تو ایسی مجلس میں مت بیٹھو۔ اور اگر اس کے باوجود بھی تم وہاں بیٹھ گئے خواہ تم خاموش تماشائی ہی بنے رہے تمہارا شمار انہی میں سے ہوگا۔

نبی کریمؐ نے اس رویے میں تدریج کی صورت فرما دی۔

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ فذالک اضعف الایمان اوکما قال

"یعنی جب تم اپنے محبوب، اللہ تعالےٰ کے کسی حکم کی مخالفت کا منظر دیکھو تو تمہارا فرض ہے کہ قوت سے اسے روکو اگر ایسا کرنا تمہاری بساط سے باہر ہے تو کم از کم اس کی رکاوٹ کے لئے زبان کو تو حرکت دو اگر تم ایسے گئے گزرے ہو کر اتنا بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم اس حرکت کو تو دل سے برا سمجھو اور یہ رویہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہے"۔

تم دیکھتے نہیں کہ اسمبلیوں میں بل پیش ہوتے ہیں، پاس ہوتے ہیں مگر کچھ لوگ واک آوٹ کر جاتے ہیں یہ واک آؤٹ کیا ہے یہی تو ان کی ناپسندیدگی اور بے بسی کا اظہار ہے

اب ان تینوں دائروں کی کچھ تفصیل بھی سن لو۔

معاملہ ہے بندے اور رب کا۔ یہ مخلوق ہے وہ خالق ہے یہ گوشت پوست کی ایک مخصوص اور محسوس صورت اور وہ ایسا کہ جسم اور مکان و زمان کی قید سے پاک یہ ایسا کہ کہتا ہے

یہ بجا کہ خلوت دل میں تو ہے ہزار رنگ سے جلوہ گر
مگر آکے سامنے بیٹھ جا کہ نظر کو خوئے مجاز ہے

وہ ایسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَار

کہ نظر کو اسے دیکھنے کی قوت کہاں حاصل ہے۔

یہ کہتا ہے کوئی خیالی تصویر تو سامنے رکھ دوں وہ فرماتا ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ

اس کی مثل جو کوئی نہیں تم کس نمونے کو پیش نظر رکھ کر خیال سے پیکر تراشی کرو گے اس لئے تم یہی کہو گے۔

اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان من نیست

تم سے پہلے اس راہ کے مسافر ایسا ہی کہہ گئے ہیں کہ

لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا

یعنی اگر درمیانی حجابات اٹھ بھی جائیں تو میرے یقین میں کچھ اضافہ نہیں ہوگا۔ مگر با ایں ہمہ راہرو کے لئے کچھ سہولتیں ہیں کچھ تدابیر۔ اور یہ دوائر محبت انہی تدابیر کے مظاہر ہیں۔

پہلا دائرہ۔ اسماء کا ہے ارشاد ہے

وللہ الاسماء الحسنیٰ

اللہ کے بہت سے پیارے پیارے نام ہیں۔ اسم اور مسمی میں بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے اسم سے مسمیٰ کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ مسمی کی محبت کا اولین تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس کے اسم سے محبت ہوتی ہے کہتے ہیں قیس عامری

کسی نے دیکھا کہ اپنی انگلی سے زمین پر کچھ لکھ رہا ہے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ ؎

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

کہنے لگا لیلیٰ کا نام لکھ رہا ہوں۔ مسمیٰ تک پہنچ نہیں سکتا اسم سے ہی اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام بے شمار ہیں وہ نام تو مشہور ہیں ہر نام اس کی ایک خاص صفت کا مظہر ہے اور اہل طریق کہتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے ایک خاص صفاتی نام مربی ہوتا ہے جس سے ان کو طبعی مناسبت ہوتی ہے مگر اسم اللہ اس کا ذاتی نام ہے اور ذات میں تمام صفات موجود ہوتی ہیں اور ذاتی نام تمام صفاتی ناموں کا مجموعی مظہر ہوتا ہے اس لئے اس دائرے میں سالک کو اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں غور و فکر کرنا ہوتا ہے یعنی اس دائرے میں سالک کو معرفتِ ذات بواسطہ اسماء کی مشق کرائی جاتی ہے۔

دوسرا دائرہ صفات کا ہے صفات کا دائرہ بہت وسیع ہے اللہ کی قدرت دیکھو اس کی صنعت کے نمونے دیکھو کیا اس کی صفات کا احاطہ کیا جا سکتا ہے اس دائرہ میں اللہ کی محبت اس کی صفات کے واسطے سے سالک اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جمادات کو دیکھو ریت کے ایک ذرّے سے لے کر فلک بوس پہاڑ تک ہر طرف اس کی صفات کے مظہر نظر آئیں گے۔ ننھے منے پودے کے ایک پتے سے لے کر اونچے اونچے تناور درختوں تک ہر جگہ اس کی صنعت کے نمونے دیکھو گے۔ ایک بے مایہ چیونٹی سے لے کر جنگل کے گرانڈیل ہاتھی تک کی زندگی پر غور کرو ہر مقام پہ اللہ کی صفات کا اظہار ہو رہا ہے انسانی زندگی پر نگاہ کرو۔ یہ بوقلمونی یہ رنگا رنگی مزاج عادات اقوال افعال میں یہ گوناگونی اس کی صنعت کے بے شمار مظہر ہیں غرض اس کی کائنات میں اس کی صنعت پر جس قدر تدبر و تفکر کرو گے اس سے محبت بڑھتی ہی جائے گی تو اس دائرے میں معرفت ذات بواسطہ صفات کی تربیت کی جاتی ہے۔

تیسرا دائرہ، ذات کا ہے، یہ بس نام کا دائرہ ہے ورنہ اس کی وسعت کی کوئی حد نہیں کسی جگہ یہ ختم ہوتا معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں نہ اسماء پیش نظر ہوتے ہیں نہ صفات گویا اس دائرہ میں معرفت ذات بلا واسطہ اسماء و صفات کی تربیت ہوتی ہے۔

کہتے ہیں محبت کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔

جمال۔ کمال۔ نوال۔ یہ تینوں وصف ہیں، صفات ہیں یعنی کسی سے محبت جو ہوتی ہے تو کبھی اس کے جمال کی وجہ سے کبھی اس کی داد و دہش جود و سخا کی وجہ سے کبھی اس میں کسی کمال کی وجہ سے مگر اس محبت کے ساتھ یہ لازم آتا ہے کہ اس محبوب کے بغیر یہ صفات کسی اور میں پائی جائیں تو محبت کا رُخ بدل جائے گا محبت کا مرکز تبدیل ہو جائے گا یا اگر یہ صفات نہ پائی جائیں تو سرے سے محبت ہی نہ ہوتی مگر محبت کی ایک قسم ہے ذات کے ساتھ نہ یہ ذات تغیر پذیر ہے نہ محبت کا قبلہ بدل سکتا ہے اس سے محبت ہے اس لئے کہ وہ، وہ ہے اس لئے کہ وہ محبوب ہے اس لئے کہ وہی محبت کا اہل ہے ؎

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گلہ
ان سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے

کسی حسین کا پیارا ہونا ضروری نہیں کسی جواد اور پیکر

جو دوستی کا پیارا ہو نا ضروری نہیں کسی صاحبِ کمال کا پیارا ہونا ضروری نہیں مگر کسی پیارے کا پیارا ہونا ضروری ہے

گو اس ذات میں سب صفات ہیں۔ جمال میں لاثانی، کمال میں بے نظیر کمال میں بے مثل، مگر محبت اس لئے کہ وہ ذات محبوب ہے۔

سوال یہ ہے کہ ذات کا تصوّر کیسے ہو، جب نظر اسے دیکھ نہیں سکتی ذہن اسے سوچ نہیں سکتا۔ خیال اس کی کوئی صورت نہیں پیش کر سکتا، تو اس کا تصوّر کیسے ہو!

بات واقعی پیچیدہ ہے مگر فرض کیجئے آپ ایک ایسے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ جس کے درمیان ایک ایسا پردہ لٹک رہا ہے جس کے آر پار نظر نہیں جا سکتی۔ آپ کو یقین ہے کہ پردے کے پیچھے ایک ایسی ہستی بیٹھی ہے جو ہمہ مقتدر مگر بڑی محبوب آپ نے دیکھا نہیں مگر اس کی موجودگی کا یقین ہے اور یہ بھی یقین ہے کہ گو مجھے وہ نظر نہیں آتا لیکن اس نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ میری حرکت اسے نظر آتی ہے میری ہر آواز وہ سنتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے دیواروں میں کوئی متعاکس آئینے لگا رکھے ہوں۔ ممکن ہے مکان کی دیواروں میں کوئی خفیہ سیٹ رکھے ہوں۔ جن کا ریسیونگ اور ٹرانسمٹنگ سسٹم آٹومیٹک ہو۔ اس حالت میں سوچئے آپ کی کیفیت کیا ہوگی آپ کا رویّہ کیسا ہوگا۔ آپ کی سوچ کا انداز کیا ہوگا۔

اس سائنسی دور میں یہ بات کوئی غیر ممکن نہیں بلکہ اس کی مثال عام ملتی ہیں۔ اسی مثال کو ذرا پھیلا کر دیکھئے وہ ہمہ مقتدر بلکہ قادر مطلق اور محبوب ہستی ہر جگہ موجود ہے۔ اس کی موجودگی پر آپ کو یقین ہے اس کے علیم وخبیر ہونے پر آپ ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے سمیع و بصیر ہونے میں آپ کو شک نہیں پھر سوچئے آپ کا رویّہ کیا ہونا چاہیئے۔ یہی کہ تم نہیں دیکھ رہے مگر رویّہ وہ اختیار کرو کان ک ترٰاہ جیسے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ وہ موجود بھی ہے اور مجھے دیکھ بھی رہا ہے ۔

در حضور دوست ہر جانب نظر کردن خطا است
یک زمان حاضر نشیں اے دل کہ جاناں ناظر است

(باقی آئندہ)

"المرشد"

اپنی اشاعت کے دو سال بفضلہ مکمل کر چکا ہے۔ اس پرچے کے ساتھ آپ کا سالانہ چندہ بھی ختم ہو گیا ہے۔ اگلا شمارہ نئے زرِ سالانہ کا مقتضی ہے براہِ کرم اس کی ترسیل جلد فرمایئے اور اس کا دائرہ وسیع کیجئے۔

نوٹ :۔
سالانہ چندہ ۲۵ روپے
(مدیر)

ماہنامہ
المرشد
زیرِ سرپرستی
حضرت العلام مولانا
اللہ یار خان صاحب مدظلہ
اصلاحِ احوال و باطنی اصلاح
سالانہ چندہ
تیس ۳۰ روپے

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک (اردو)	۲۵/۰۰
صوفی ازم (انگلش)	۴۰/۰۰
حیاتِ برزخیہ	۲۵/۰۰
تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین	۲۵/۰۰
الدین الخالص	۲۵/۰۰
حیاتِ انبیاء	۱۰/۰۰
اطمینان قلب	۱۰/۰۰
تعمیر سیرت	۷/۵۰
لغزشیں	۷/۵۰
حضرت امیر معاویہؓ	۷/۵۰
اسرار الحرمین	۵/۰۰
انوار التنزیل	۵/۰۰
کس لئے آئے تھے؟	۵/۰۰
تعارف	۳/۰۰
خدایا ایں کرم بارِ دگر کن	۷/۵۰
دیارِ حبیب میں چند روز	۵/۰۰
دین و دانش	۵/۰۰
مغالطے	۵/۰۰
پاکیزہ معاشرہ	۷/۵۰
فضائل توبہ استغفار	۲۰/۰۰
المرشد فی شمارہ	۳/۰۰
حج کی دعائیں ۳ حصے	۵/۰۰
ذکر اللہ (عربی)	۳/۰۰
بزم انجم	۱۵/۰۰
فوزِ عظیم	۱/۵۰
علم و عرفان مع تلاش زر	۳/۰۰
سالانہ چندہ المرشد	۳۰/۰۰
کونوا عباد اللہ	زیرِ طبع

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ الحسنات منزل چکوال • سول ایجنٹ مدنی کتبخانہ گنپت روڈ لاہور

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255